مواعظِ عثمانی

اِصلاحی تقاریر ومضامین کا موضوع وار مجموعہ



خاندانی نظام اور پُرسکون گھرانہ ﴿حصہ اوّل﴾

جلد: ۱۵

مُفتی محمّد تقی عُثمانی

مکتبہ مُعارِف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

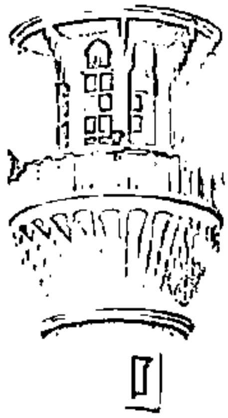
مَواعظِ عثمانی

خاندانی نظام اور

پُرسکون گھرانہ

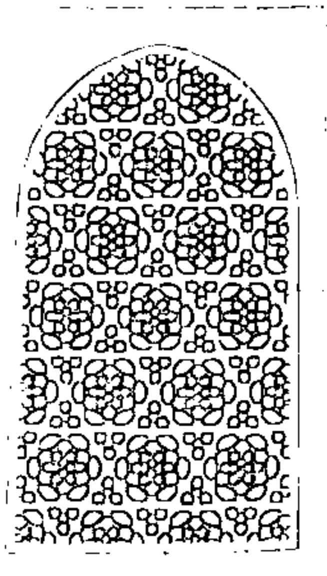
جلدِ ۱۵

بسم الله الرحمن الرحيم



مواعظِ عثمانی

خاندانی نظام اور پرسکون گھرانہ

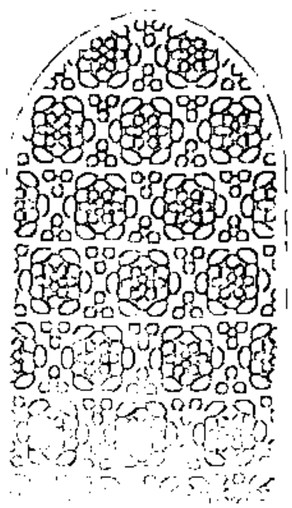


جلد: ۱۵

مفتی محمد تقی عثمانی

ترتیب و تخریج

مولانا عنایت الرحمٰن



مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے "مواعظِ عثمانی" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

باہتمام
ڈاکٹر مفتی محمد حسان اشرف عثمانی

طبع : ربیع الاول ۱۴۴۶ھ - ستمبر ۲۰۲۴ء
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی

فون : 92-21-35123130
35031565
0312-2592838
ای میل : info@mmqpk.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی، پاکستان - 75180

ملنے کے پتے

- مکتبہ دار العلوم، کراچی
- دار الاشاعت، کراچی
- بیت القرآن، کراچی
- مکتبہ القرآن، کراچی
- بیت الکتب، کراچی
- ادارۃ اسلامیات، کراچی/لاہور
- مکتبہ عمر فاروق، کراچی
- فخر الدین کانچ والا، کراچی
- مکتبہ اصلاح وتبلیغ، حیدرآباد
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- مکتبہ رحمانیہ، لاہور
- مکتبہ بیت العلوم، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، لاہور
- الفلاح پبلیشرز، لاہور
- اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد
- مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد
- مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
- اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی
- مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی
- مسٹر بکس، اسلام آباد
- دارالسلام، اسلام آباد
- مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- دار الاخلاص، پشاور
- مکتبہ احیاء العلوم، کرک
- مکتبہ عباسیہ، تیمرگرہ
- مکتبہ احرار، مردان
- قرآن مجید محل، مردان

پیشِ لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے بندے کو دار العلوم ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ہی سے جمعہ کی تقریر کرنے پر مقرر فرمادیا تھا، شروع میں اپنے لسبیلہ ہاؤس والے گھر کے قریب عزیزی مسجد میں کئی سال جمعہ کی تقریر کرتا رہا، پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے بعد جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس میں سالہا سال جمعے کی تقریر کی نوبت آتی رہی۔ ۱۹۹۹ء میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات کا فیض دور تک پھیلا ہوا تھا، اس موقع پر مجھے جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس سے بیت المکرم منتقل کیا گیا اور وہاں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۲۰ء تک جمعہ کی تقریر کا سلسلہ رہا۔

میرے شیخ مکرم حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ کی

وفات کے بعد میرے استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر میں نے لسبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد نعمان میں اور پھر بیت المکرم میں اتوار کے دن عصر کے بعد ایک اصلاحی مجلس کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت میری تقریریں محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ میں انہیں اس قابل سمجھتا تھا کہ انہیں شائع کیا جائے، لیکن میرے انتہائی مشفق دوست حضرت پروفیسر شمیم احمد صاحب (جو اس وقت ''معارف القرآن'' کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے) نے میرے معاون مولانا عبداللہ میمن صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقریروں کو ریکارڈ کر کے قلمبند کرلیا کریں، چنانچہ انہی کی تحریک پر ان اصلاحی بیانات اور کسی قدر جمعے کے خطبوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے منظرِ عام پر آگیا جس کی اب غالباً ۲۵ جلدیں ہوچکی ہیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان کی اشاعت مفید ہوئی اور حضراتِ ائمہ وخطباء بھی اپنی تقاریر میں ان سے مدد لینے لگے اور عام مسلمانوں کو بھی عام فہم انداز میں دین کی بنیادی معلومات آسانی سے پہنچنے لگیں، اس کے علاوہ بندہ کو مختلف مواقع پر کراچی یا کسی اور شہر میں، بلکہ کسی اور ملک میں بھی اس طرح کی تقریروں کا موقع ملتا رہا اور متعدد احباب انہیں قلمبند کر کے شائع کرتے رہے اور کسی خاص موضوع کے بارے میں انہی تقاریر سے متعدد مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے۔

مجھے ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ اصلاحی بیانات میں بسا اوقات واقعات اور احادیث میں صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا مستقل تالیفات میں ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے احباب میں سے مولانا عنایت الرحمن صاحب کو اس پر

نامزد کیا کہ وہ میری تقاریر میں بیان کردہ احادیث یا سلف کے واقعات کی تحقیق وتخریج کریں اور جہاں غلطی ہوئی ہو، اس کی اصلاح کریں۔ میرے مشورے سے وہ یہ کام ماشاء اللہ قابلیت کے ساتھ کرتے رہے۔ مولانا عنایت الرحمن صاحب نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''اصلاحی خطبات''، ''اصلاحی مجالس'' اور بیانات کے مختلف مجموعوں کو بھی عنوانات و مضامین کی ترتیب سے مرتب کیا اور جو تقاریر ''البلاغ'' میں یا کسی دوسرے رسالے میں شائع ہوئی تھیں یا کسی کتاب کا جز تھیں ان کا بھی استقصاء کر کے ایک نیا مجموعہ ''مواعظِ عثمانی'' کے نام سے مرتب کردیا اور اس لحاظ سے یہ بندہ کی تقاریر، مواعظ اور بیانات کا سب سے زیادہ جامع مجموعہ ہوگیا ہے اور حسبِ استطاعت اس میں تخریج و تحقیق کا بھی اہتمام ہے جس سے اس کے درجۂ استناد میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزِ موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اس بے عمل کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں اور اس سے عام و خاص مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دارالعلوم کراچی ۱۴

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۵/محرم ۱۴۴۳ھ

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیرِ نظر کتاب سلسلہ "مواعظِ عثمانی" جلد نمبر ۱۵ "خاندانی نظام اور پرسکون گھرانہ (حصہ اول)" جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات، تقاریر اور مضامین کا تخریج شدہ جامع اور مستند موضوع وار مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ ربُّ العزت نے جو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ماہرِ معاشیاتِ اسلامی، مؤرخ، محقق، شاعر، ادیب اور مبلغ و داعئ اسلام ہیں۔ اسی دعوت وارشاد کا سلسلہ عرصۂ دراز سے ہفتہ واری مجلس کی صورت میں تاحال جاری ہے اور الحمد للہ اس سے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ ہورہا ہے، جن میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔ اور اسی دعوت وارشاد کی برکت سے بہت سارے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے انہی بیانات ومواعظ سے علماء، طلباء اور خطباء کرام استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور حضرت والا دامت برکاتہم کے جملہ بیانات ومواعظ تحریراً اورتقریراً عوام الناس میں مقبول ہیں اور ہر طبقہ ان سے مستفید ہورہا ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا مکمل استیعاب کیا گیا ہے:

صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا مکمل استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور ﷺ نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شعب الایمان
- نشری تقریریں
- فرد کی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر وفکر
- The Islamic months

اور اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، نیز ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شائع شدہ اور صوتی صورت میں محفوظ شدہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات و خطبات کو شامل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر اس کی تصحیح اور تحقیق کا اہتمام ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات ومضامین کا جامع اور مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب، تحقیق وتخریج حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ان کی نگرانی میں مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کی ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیات اور تحقیق وتخریج کا طریقۂ کار اس مجموعہ کی پہلی جلد ''ایمان وعقائد ونظریات (حصہ) اوّل'' کے شروع میں درج ہے، اس کی مراجعت ان شاء اللہ مفید رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے ادارہ کے جملہ احباب ومعاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے۔ آمین یا رب العالمین۔

انتظامیہ مکتبہ معارف القرآن کراچی

فہرستِ عنوانات

اجمالی فہرستِ عنوانات

تفصیلی فہرست

خاندانی نظام اور پرسکون گھرانے سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی نظام اور پرسکون گھرانے سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

والدین کے ساتھ

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کوئی اولاد اپنے باپ کا بدلہ نہیں دے سکتی، الّا یہ کہ وہ باپ کو کسی کا غلام دیکھے اور اسے خرید کر آزاد کردے۔''(۱)

② حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) صحیح مسلم ۲/۱۱٤۸ (۱۵۱۰) طبع دار احیاء التراث العربی۔ وسنن ابی داود ٤/۳۳۵ (۵۱۳۷) طبع المکتبۃ العصریۃ بیروت۔

''والدین تمہاری جنت بھی ہیں (اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو) اور تمہاری دوزخ بھی (اگر ان کی نافرمانی کرو)۔''(۱)

③ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر دراز ہو، اور اس کے رزق میں اضافہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''(۲)

④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگوں کی عورتوں کے بارے میں پاکدامنی اختیار کرو، تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی، اور اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، تمہارے بیٹے تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔''(۳)

---

(۱) سنن ابن ماجه ۲۵۲/۵ (۳٦٦۲) طبع دار الجيل۔ وقال البوصيری فی "مصباح الزجاجه" ۹۹/٤ هذا اسناد ضعيف۔ طبع دار العربية بيروت۔

(۲) مسند احمد ۳۸۷/۲ (۱۲۱۳) طبع موسسة الرسالة۔ والمعجم الاوسط للطبرانی ۲۳۲/۳ (۳۰۱٤) طبع دار الحرمين القاهره۔ وقال المنذری فی "الترغيب" ۲۱۷/۳ (۳۷۵۵) رواه احمد ورواته محتج بهم فی الصحيح وهو فی الصحيح باختصار ذكر البر۔ (طبع دار الكتب العلمية)۔

(۳) المستدرك للحاكم ۱۷۰/٤ (۷۲۵۸) وقال هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه، وقال الذهبی فی "التلخيص" بل سويد ضعيف۔ (طبع دار الكتب العلمية)۔

⑤ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وہ شخص خاک آلود ہو، خاک آلود ہو، خاک آلود، پوچھا گیا یارسول اللہ! کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا جس شخص نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر بھی جنت میں داخل نہ ہوسکا۔''(۱)

⑥ حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ماں کے پاس رہو کیونکہ جنت اس کے پاؤں تلے ہے۔''(۲)

⑦ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین آدمی ایسے ہیں کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا بھی نہیں:

① والدین کی نافرمانی کرنے والا

② شراب کا دھنی

---

(۱) صحیح مسلم ۱۹۷۸/٤ (۲۵۵۱)۔

(۲) سنن النسائی ۱۱/٦ (۳۱۰٤) طبع مکتب المطبوعات الاسلامیة حلب۔ وسنن ابن ماجه ۳۲۵/٤ (۲۷۸۱) والمستدرک للحاکم ۱٦۷/٤ (۷۲٤۸) وقال ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه ووافقه الذہبی فی التلخیص۔

④ دے کر احسان جتلانے والا۔"(۱)

ازدواجی زندگی

① حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے نوجوانو! تم میں سے جسے استطاعت ہو اسے چاہیے کہ شادی کرلے، اس لیے کہ یہ نگاہیں نیچی رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے، اور اس طرح شرمگاہ کی زیادہ حفاظت ہوسکتی ہے، اور جو شخص استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کثرت سے روزے رکھے، اس لیے کہ روزہ جنسی جذبات کی تسکین کا باعث ہے۔"(۲)

② حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"دنیا ایک پونجی ہے، اور اس کی بہترین پونجی نیک عورت ہے۔"(۳)

---

(۱) مسند احمد ۳۲۱/۱۰ (۶۱۸۰) والمستدرک للحاکم ١٦٣/٤ (٧٢٣٥) وقال هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبي في "التلخيص"۔

(۲) صحیح البخاری ۲۶/۳ (۱۹۰۵) طبع دار طوق النجاۃ۔ وصحیح مسلم ۱۰۱۸/۲ (١٤٠٠)۔

(۳) صحیح مسلم ۱۰۹۰/۲ (١٤٦٧)۔

③ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تقوی کے بعد مومن کے لیے کوئی چیز نیک بیوی سے بہتر نہیں ہے، ایسی بیوی کہ شوہر اسے کوئی کام کرنے کو کہے تو اس کی اطاعت کرے، اس کی طرف دیکھے تو اس کے لیے باعث مسرت ہو اور اگر اس کے بارے میں کوئی قسم کھالے (کہ میری فلاں کام ضرور کردے گی) تو وہ اس قسم میں سچا کر دکھائے، اور جب شوہر اس کے پاس نہ ہو تو وہ اس کے مال اور اپنی جان کے معاملہ میں شوہر کی پوری خیر خواہی کرے۔''(۱)

④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اپنے ذمہ قرار دی ہوئی ہے، ایک اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، دوسرے مکاتب (یعنی وہ غلام جس کے آقا نے یہ کہہ رکھا ہو کہ اتنی رقم مجھے لادو تم آزاد ہو) جو ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو، تیسرے وہ نکاح کرنے والا جو پاک دامنی کی خاطر نکاح کرنا چاہتا ہو۔''(۲)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ۳/۳۰۸ (۱۸۵۷) وقال البوصیری فی "مصباح الزجاجة" ۲/۹۷ هذا اسناد فيه علی بن زيد بن جدعان وهو ضعيف... وله شاهد من حديث عبد الله بن عمرو رواه مسلم وغيره... الخ۔

(۲) سنن الترمذی ۳/۲۸۸ (۱۶۵۵) وقال هذا حديث حسن۔ وقال المنذری فی "الترغيب" ۳/۲۹ رواه الترمذی واللفظ له وقال حديث حسن صحيح وابن حبان فی صحيحه والحاكم وقال صحيح علی شرط مسلم۔

⑤ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کسی بھی عورت سے چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے:

① اس کی خوبصورتی کی بناء پر

② اس کے مال کی وجہ سے

③ اس کے حسن اخلاق کی وجہ سے

④ اس کی دینداری کے پیشِ نظر

تم ایسی عورت کا انتخاب کرو جو دیندار ہو اور اچھے اخلاق والی ہو۔"(۱)

بیوی کے ساتھ

① حضرت میمون اپنے والد رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کرلے اور دل میں اس کی ادائیگی کا ارادہ نہ ہو تو اس نے اپنی بیوی کو دھوکہ دیا، اس کے بعد اگر وہ اپنی بیوی کا حق مہر ادا کیے بغیر مرگیا تو قیامت کے روز اللہ سے زانی ہو کر ملے گا۔"(۲)

(۱) مسند احمد ۲۸۷/۱۸ (۱۱۷٦۵) والمستدرک للحاکم ۱۷٤/۲ (۲٦۸۰) وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ بھذہ الزیادۃ ووافقہ الذھبی فی "التلخیص"۔

(۲) المعجم الاوسط للطبرانی ۲۳۷/۲ (۱۸۵۱) وقال المنذری فی "الترغیب" ۳۷٤/۲ (۲۷۸۱) رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط ورواتہ ثقات۔

② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مومنوں میں سے سب سے مکمل ایمان ان لوگوں کا ہے، جو خوش اخلاق ہوں، اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے دوسروں سے بہتر ہو۔''(۱)

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کوئی مومن کسی مومنہ بیوی سے بغض نہ رکھے، اگر اسے بیوی کی ایک عادت ناپسند ہے تو دوسری پسند ہوگی۔''(۲)

④ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بیوی کا تم پر یہ حق ہے کہ خود کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب خود پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے چہرے پر نہ مارو، اسے برا بھلا نہ کہو اور (ناراضی کی وجہ سے) الگ ہو کر رات نہ گزارو مگر ایک ہی گھر میں۔''(۳)

---

(۱) سنن الترمذی ۴٥٤/۲ (۱۱٦۲) وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔ وسنن ابی داود ۲۲۰/٤ (٤٦۸۲)۔
(۲) صحیح مسلم ۱۰۹۱/۲ (۱٤٦۹)۔
(۳) سنن ابی داود ۲٤٤/۲ (۲۱٤۲-۲۱٤۳) وسنن ابن ماجه ۳۰۳/۳ (۱۸٥۰) والمستدرک للحاکم ۳۰٤/۲ (۲۷٦٤) وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ووافقه الذہبی فی التلخیص۔

⑤ حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''خبردار! عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے میں میری نصیحت قبول کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے پاس مقید رہتی ہیں، تم اس کے سوا ان کی کسی چیز کے مالک نہیں، الا یہ کہ وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں، اس صورت میں تم انہیں بستروں میں تنہا چھوڑ دو (ان سے الگ ہوکر سو جاؤ) اور انہیں اس طرح مارو کہ وہ مار تکلیف دہ نہ ہو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر ظلم کا کوئی راستہ اختیار نہ کرو، یاد رکھو! تمہاری بیویوں پر تمہارا کچھ حق ہے، اور تمہاری بیویوں کا تم پر کچھ حق ہے، تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارا بستر ایسے لوگوں سے پامال نہ ہونے دیں، جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، اور نہ ایسے لوگوں کو تمہارے گھر میں آنے کی اجازت دیں جو تمہیں ناپسند ہیں، یاد رکھو! ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے کپڑے اور ان کے کھانے میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔''[1]

⑥ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سنن ابن ماجہ ۳۰۲/۳ (۱۸۵۱) وسنن الترمذی ۴۵۵/۲ (۱۱۶۳) وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

''ایک دینار وہ ہے جو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے کوئی غلام آزاد کیا، ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی مسکین کو صدقہ کے طور پر دے دیا، اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنی بیوی پر خرچ کیا، ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار پر ملے گا جو تم نے اپنی بیوی پر خرچ کیا۔''(۱)

⑦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم میں سے اس شخص کو شرم نہیں آتی جو دن کے اول حصے میں اپنی بیوی کو اس طرح مارتا ہے جیسے غلام کو مار رہا ہو، پھر اسی دن کے آخری حصے میں اس سے ہم بستری بھی کرتا ہے؟ شرم نہیں آتی؟''(۲)

⑧ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں تنگی کرنے والا ہو۔''(۳)

---

(۱) صحیح مسلم ۶۹۲/۲ (۹۹۵)۔

(۲) مصنف عبد الرزاق ۴۴۲/۹ (۱۷۹۴۳-۱۷۹۴۴) طبع للمجلس العلمی۔ واصلہ فی صحیح البخاری ۱۶۹/۶ (۴۹۴۲)۔

(۳) المعجم الاوسط للطبرانی ۳۳۷/۸ (۸۷۹۸) وقال المناوی فی ''التیسیر'' بشرح الجامع الصغیر ۷۷/۲ باسناد ضعیف (طبع مکتبۃ الامام الشافعی الریاض) وقال العزیزی فی السراج المنیر ۲/۳۳۶ قال الشیخ حدیث حسن لغیرہ۔ طبع المطبعۃ الخیریۃ۔

⑨ حضرت ایاس بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں بہت سی عورتیں چکر لگاتی ہیں، وہ اپنے شوہروں (کے مارنے) کی شکایت کرتی تھیں، ایسے لوگ (جو اپنی بیویوں کو مارتے ہیں) بہتر لوگ نہیں ہیں۔''(۱)

⑩ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ کسی شخص کو اس حالت میں دیکھوں کہ اس کی گردن کی رگیں پھولی ہوئی ہوں، اور وہ اپنی بیوی کے سر پر کھڑا اسے مار رہا ہو۔''(۲)

⑪ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کے پاس دو بیویاں ہو اور وہ ان کے درمیان عدل و انصاف سے کام نہ لے تو وہ قیامت کے دن اس

---

(۱) سنن ابی داود ۲/۲٤٥ (۲۱٤٦) وسنن ابن ماجه ۳/٤٠١ (۱۹۸۵) والمستدرک للحاکم ۲/۲۰۵ (۲۷٦۵) وقال هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبي في التليخص۔

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد ۱۰/۱۹٤ طبع مكتبة الخانجي۔ ومصنف عبد الرزاق ۹/٤٤٧ (۱۷۹٦٤) والنفقة على العيال لابن ابی الدنیا ۲/٦۷۸ (٤۸۹) طبع دار ابن القیم السعودية ومسند اسحاق بن راهويه ۵/۱۱۲ (۲۱۲۷) طبع مكتبة الإيمان وذكره الحافظ في "اتحاف المهرة" ۲/٤٤۲ (۲۰۱٦)

حالت میں آئے گا کہ اس کے بدن کا ایک حصہ گرا ہوا ہوگا۔''(۱)

شوہر کے ساتھ

① حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس عورت کا انتقال اس حالت میں ہو کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو، وہ جنت میں جائے گی۔''(۲)

② حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو عورت پانچوں نمازیں پابندی سے پڑھے، رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے داخل ہونا چاہے، داخل ہو جاؤ۔''(۳)

(۱) سنن ابی داود ۲/۲٤۲ (۲۱۳۳) وسنن النسائی ۷/٦۳ (۳۹٤۲) وسنن الترمذی ۲/٤۳۳ (۱۱٤۱)۔ وقال المنذري في "الترغيب" (۳/٤۰): رواه الترمذي وتكلم فيه والحاكم وقال صحيح على شرطهما۔

(۲) سنن الترمذی ۲/٤٥٤ (۱۱٦۱) وقال هذا حديث حسن غريب۔ وسنن ابن ماجه ۳/۳۰۷ (۱۸٥٤)۔

(۳) مسند احمد ۳/۱۹۹ (۱٦٦۱) والمعجم الاوسط ۸/۳۳۹ (۸۸۰٥) وقال المنذری فی الترغيب ۳/۳٤ وراه احمد والطبرانی ورواة احمد رواة الصحيح خلا ابن لهيعة وحديثه حسن فی المتابعات۔

③ حضرت حصین بن محصن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہارا شوہر تمہاری جنت اور جہنم ہے (یعنی اطاعت کرو تو جنت ورنہ جہنم کا سبب ہے)''۔(۱)

④ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر میں کسی انسان کو دوسرے انسان کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہروں کا بڑا حق رکھا ہے''۔(۲)

⑤ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ اگر وہ اسے اپنے پاس بلائے تو خواہ وہ پالان پر بیٹھی ہو، انکار نہ کرے اور بیوی پر شوہر کا یہ بھی حق ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے، اگر وہ ایسا کرے گی تو (بے فائدہ) بھوکی پیاسی

(۱) مسند احمد ۳۱/۳٤۱ (۱۹۰۰۳) والسنن الکبری للنسائی ۸/۱۸۵ (۸۹۱٤-۸۹۱۹) طبع موسسة الرسالة۔ وقال المنذری فی الترغیب ۳/۳٤ (۲۹۷۲) رواہ احمد والنسائی باسنادین جیدین والحاکم وقال صحیح الاسناد۔

(۲) سنن ابی داود ۲/۲٤٤ (۲۱٤۰) والمستدرک للحاکم ۲/۲۰٤ (۲۷٦۳) وقال ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ووافقہ الذہبی فی التلخیص۔

رہے گی اور روزہ قبول نہیں ہوگا اور کوئی بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اگر وہ ایسا کرے گی تو آسمان کے فرشتے، رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے سب اس پر لعنت کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ واپس آجائے۔'' (۱)

⑥ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عورت اللہ کا حق ادا نہیں کرسکتی، تاوقتیکہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔'' (۲)

⑦ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ایسی عورت کو (رحمت کی نظر سے) دیکھتا ہی نہیں جو اپنے شوہر کا شکر ادا نہ کرتی ہو، حالانکہ وہ شوہر سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔'' (۳)

---

(۱) الطبرانی کما فی الترغیب للمنذری ۳۷/۳۔والبزار کما فی کشف الاستار ۱۷۷/۲ (۱٤٦٤) وقال الهیثمی فی "مجمع الزوائد" ٥٦٣/٤ (٧٦٣٨) وفیه حسین بن قیس المعروف بحنش وهو ضعیف وقد وثقه حصین بن نمیر وبقیه رجاله ثقات۔(طبع دار الفکر). والمعجم الکبیر للطبرانی ٥/٢٠٠ (٥٠٨٤) من حدیث زید بن ارقم (مکتبة ابن تیمیة القاهرة) وقال المنذری فی "الترغیب" ۳۸/۳ باسناد جید۔

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی ٥/٢٠٠ (٥٠٨٤) وللمعجم الاوسط ٧/٢٥٥ (٧٤٣٣) وقال المنذری فی "الترغیب" ۳۸/۳ رواه الطبرانی باسناد جید۔

(۳) السنن الکبری للنسائی ٨/٢٣٩ (٩٠٨٦) والمستدرک للحاکم ٢/٢٠/ (٢٧٧١) وصححه ووافقه الذہبی فی التلخیص۔

⑧ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے اور اس وجہ سے شوہر رات بھر اس سے ناراض رہے تو ایسی بیوی پر فرشتے صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔''(۱)

اولاد کے ساتھ

① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص پر لڑکیوں (کی پرورش) کی آزمائش آئی اور اس نے ان کے ساتھ نیک سلوک کیا تو وہ لڑکیاں اس کے لیے آگ سے بچانے والا پردہ بن جائیں گی۔''(۲)

② حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کوئی شخص اپنی اولاد کو ادب سکھائے تو یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔''(۳)

---

(۱) صحیح البخاری ٤/١١٦ (٣٢٣٧) وصحیح مسلم ٢/١٠٥٩ (١٤٣٦)۔

(۲) صحیح البخاری ٢/١١٠ (١٤١٨) وصحیح مسلم ٤/٢٠٢٧ (٢٦٢٩)۔

(۳) مسند احمد ٣٤/٤٥٨ (٢٠٩٠٠) وسنن الترمذی ٣/٥٠٢ (١٩٥١) وقال ھذا حدیث غریب وناصح ہو ابو العلاء کوفی لیس عند اھل الحدیث بالقوی۔

③ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص دو لڑکیوں کی کفالت کرے، یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائیں تو میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح (قریب قریب) آئیں گے، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملالیا (یعنی جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں، اس طرح وہ شخص مجھ سے قریب ہوگا)''۔(۱)

④ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کی سرپرستی میں کوئی لڑکی (بہن، بیٹی وغیرہ ہو) اور وہ اسے نہ زندہ درگور کرے، نہ اس کی توہین کرے اور نہ اپنی نرینہ اولاد کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا''۔(۲)

⑤ حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کوئی باپ اپنے کسی بیٹے کو کوئی عطیہ اچھا ادب (سکھانے)

(۱) صحیح مسلم ۲۰۲۷/٤ (۲٦۳۱) وسنن الترمذی ٤٧٦/۳ (۱۹۱٤)۔

(۲) سنن ابی داود ۳۳۷/٤ (٥۱٤٦) ومسند احمد ٤۲٦/۳ (۱۹٥۷) والمستدرک للحاکم ۱۹٦/٤ (۷۳٤۸) وصححہ ووافقہ الذہبی فی التلخیص۔

سے بہتر نہیں دے سکتا۔''(۱)

⑥ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کیا میں تمہیں سب سے افضل صدقہ نہ بتاؤں (سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ) تمہاری بیٹی (مطلّقہ ہوکر) تمہارے پاس لوٹا دی جائے، تمہارے سوا اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو(اور تم اس کی کفالت کرو)''۔(۲)

⑦ حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بچہ کو سات کی عمر میں نماز سکھاؤ اور دس سال کی عمر میں (نماز ترک) کرنے پر اسے مارو۔''(۳)

⑧ حضرت بکر بن عبد اللہ بن الربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنے بیٹوں کو تیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ اور مومن عورت کا بہترین گھریلو کھیل چرخہ کاتنا ہے، اور جب تمہارے ماں

---

(۱) سنن الترمذی ۵۰۳/۳ (۱۹۵۲) وقال هذا حديث غريب. والمستدرك للحاكم ۲۹۲/٤ (٧٦٧٩) وصححه وقال الذهبی فی التلخيص بل مرسل ضعيف۔

(۲) مسند احمد ۱۲۵/۲۹ (۱۷۵۸٦) و سنن ابن ماجه ۲۵۵/۵ (٣٦٦٧) وقال البوصيری فی "مصباح الزجاجه" ١٠٠/٤ هذا اسناد رجاله ثقات الا ان علی بن رباح لم يسمع من سراقة بن مالک۔

(۳) سنن ابی داود ۱۳۳/۱ (٤٩٤) وسنن الترمذی ٤٣٢/١ (٤٠٧) وقال حديث حسن۔

باپ بیک وقت تمہیں بلائیں تو اپنی ماں کے پاس (پہلے) جاؤ۔"(۱)

دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ

① حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"چھوٹے بھائیوں پر بڑے بھائیوں کا ایسا ہی حق ہے جیسے باپ کا بیٹے پر۔"(۲)

② حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی ایک شاخ ہے۔"(۳)

③ حضرت براء بن عازب وحضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) معرفة الصحابة لابی نعیم ۱/۴۴۱ (۱۱۹٤) وذکره السخاوی فی "المقاصد الحسنة" ص ٤٦٢ (٧٠٨) وقال وسنده ضعیف لکن له شواهد... الخ۔ (طبع دار الکتب العلمیة).

(۲) شعب الایمان للبیهقی ۱۰/۳۱۳ (۷۵۵۳) طبع مکتبة الرشد۔ وقال الحافظ العراقی فی تخریج احادیث الاحیاء ۲/۵۳۳ (۲۰٦۸) واسناده ضعیف (مکتبة طبرية الرياض). والمعجم الکبیر للطبرانی ۱۹/۲۰۰ (٤٥٠) من حدیث کلیب الجهنی رضی الله عنه۔ وقال الهیثمی فی "مجمع الزوائد" ۸/۲۷۲ (۱۳٤۳۸) وفیه الواقدی وهو ضعیف۔

(۳) سنن الترمذی ٦/۱۰۸ (۳۷۵۸) وقال هذا حدیث حسن صحیح۔

"خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔"(۱)

④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اپنے نسب کا اتنا علم ضرور حاصل کرو جس سے تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو، اس لیے کہ صلہ رحمی سے اپنوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، مال میں اضافہ ہوتا ہے اور موت دیر سے آتی ہے۔"(۲)

⑤ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قطع رحم کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"(۳)

⑥ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو (دوسرے رشتہ داروں کے کیے ہوئے احسانات کا) بدلہ چکائے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسرے اس سے قطع رحمی کا معاملہ کریں تو یہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"(۴)

---

(۱) صحیح البخاری ۱۸٤/۳ (۲٦۹۹)۔

(۲) سنن الترمذی ۵۲۱/۳ (۱۹۷۹) وقال هذا حديث غريب من هذا الوجه۔ والمستدرك للحاكم ۱۷۸/٤ (۷۲۸٤) وصححه ووافقه الذهبي في التلخيص۔

(۳) صحیح البخاری ۵/۸ (۵۹۸٤) وصحیح مسلم ۱۹۸۱/٤ (۲۵۵٦)۔

(۴) صحیح البخاری ٦/۸ (۵۹۹۱)۔

سماجی خدمات

① حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بلا شبہ دین خیر خواہی کا نام ہے، (راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے پوچھا؟ کس کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے، مسلمانوں کے حکام کے لیے اور عوام کے لیے۔"(۱)

② حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے جو شخص کسی کو برائی کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کی برائی کو اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کر کے اسے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو (کم از کم) اسے دل ہی سے برا سمجھے، اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔"(۲)

③ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۲) صحیح مسلم ۷٤/۱ (۵۵)

(۲) صحیح مسلم ۶۹/۱ (٤۹)۔

''جب لوگ ظالم کو (ظلم کرتے) دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب نازل کردے۔''(۱)

④ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ بھی عظیم جہاد ہے کہ ظالم صاحب اقتدار کے سامنے کلمۂ انصاف کہا جائے۔''(۲)

⑤ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے (یعنی اگر وہ کوئی ایسا مشورہ دے، جسے دل میں صحیح نہ سمجھتا ہو تو اسے خیانت کا گناہ ہوگا)''۔(۳)

⑥ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سنن ابی داود ٤/١٢٢ (٤٣٣٨) وسنن الترمذی ٤/٤٠ (٢١٦٨) وقال النووی فی ریاض الصالحین ص ٨٦ (١٩٧) رواہ ابو داود والترمذی والنسائی باسانید صحیحة۔ طبع دار ابن کثیر۔

(۲) سنن ابی داود ٤/١٢٤ (٤٣٤٤) وسنن الترمذی ٤/٤٥ (٢١٧٤) و قال ھذا حدیث حسن غریب من ھذا الوجه۔

(۳) سنن الترمذی ٤/٥١٢ (٢٨٢٣) وقال ہذا حدیث غریب من حدیث ام سلمة. وسنن ابن ماجه ٥/٣٠٥ (٣٧٤٦) من حدیث ابی مسعود البدری رضی الله عنه. وقال البوصیری فی مصباح الزجاجه ٤/١٢٠ ھذا اسناد صحیح رجاله ثقات۔

''ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے میں ہیں، ان میں افضل ترین شعبہ ''لا الہ الا اللّٰہ'' کہنا اور ادنیٰ ترین شعبہ راستے سے گندگی دور کرنا ہے اور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''(۱)

⑦ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''راستوں میں بیٹھنے سے بچو، اور اگر بیٹھنا ناگزیر ہی ہو تو، راستے کے حقوق ادا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! راستے کے حقوق کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نگاہیں نیچی رکھنا، گندگی دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا، اور برائی سے روکنا''(۲)۔ (ایک روایت میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں) اور ستم رسیدہ انسانوں کی مدد کرو، اور جو راستہ بھول گیا ہو اسے راستہ بتاؤ۔''(۳)

نوٹ: حدیث میں یہاں ''کف الاذی'' کا لفظ ہے جس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ ① گندگی کو دور کرنا ② لوگوں کو تکلیف سے بچانا۔ (مترجم)

⑧ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم ۶۲/۱ (۳۵)۔
(۲) صحیح البخاری ۱۳۲/۳ (۲٤٦۵) و صحیح مسلم ۱٦۷۵/۳ (۲۱۲۱)۔
(۳) سنن ابی داود ۲۵٦/٤ (٤۸۱۷)۔

”جو شخص کسی مشکل میں پھنسے ہوئے آدمی کے لیے آسانی پیدا کردے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی پیدا کردے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کردے گا، اور جب تک کوئی بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔“(۱)

⑨ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اللہ کی کچھ مخلوق ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے پیدا کیا ہے، لوگوں کو جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو گھبرا کر انہی کے پاس جاتے ہیں، ایسے لوگ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔“ (۲)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) صحيح مسلم ٤/٢٠٧٤ (٢٦٩٩)۔

(٢) المعجم الكبير للطبراني ١٢/٣٥٨ (١٣٣٣٤) والمعجم الاوسط ٥/٢٢٨ (٥١٦٢) وشعب الايمان للبيهقي ١٠/١١٧ (٧٢٥٦) وقال الهيثمي في "المجمع" ٨/٣٥٠ (١٣٧١٠): رواه الطبراني، وفيه عبد الرحمن بن أيوب، وضعفه الجمهور، وحسن حديثه الترمذي، وأحمد بن طارق الراوي عنه لم أعرفه وبقية رجاله رجال الصحيح۔

اپنے گھروں کو بچایئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنے گھروں کو بچایئے!!

حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور دُرود وسلام اس آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

زمانہ اس تیزی سے بدل رہا ہے کہ جس انقلاب کو پہلے ایک طویل مدت درکار ہوتی تھی، اب وہ دیکھتے ہی دیکھتے رونما ہوجاتا ہے۔ آج کے ماحول کا، زیادہ نہیں، پندرہ بیس سال پہلے کے وقت سے موازنہ کر کے دیکھئے، زندگی کے ہر شعبے میں کایا پلٹی ہوئی نظر آئے گی، لوگوں کے افکار و خیالات، سوچنے سمجھنے کے انداز، معمولاتِ زندگی، معاشرت، رہن سہن کے طریقے، باہمی تعلقات، غرض زندگی کے ہر گوشے میں ایسا انقلاب برپا ہوگیا ہے کہ بعض اوقات سوچنے سے حیرت ہوجاتی ہے۔

کاش! یہ برق رفتاری کسی صحیح سمت میں ہوتی تو آج یقیناً ہماری قوم کے دن پھر چکے ہوتے، لیکن حسرت اور شدید حسرت، افسوس اور ناقابل بیان افسوس

اس بات کا ہے کہ یہ ساری برق رفتاری الٹی سمت میں ہورہی ہے، کسی شاعر حکیم نے یہ مصرعہ مغرب کے لیے کہا تھا، مگر آج یہ ہمارا اپنا حال بن چکا ہے کہ ؎

تیز رفتاری ہے، لیکن جانب منزل نہیں

اس بات کو کب اور کس کس عنوان سے کہا جائے کہ پاکستان اسلام کے لیے بنا تھا، اس لیے بنا تھا کہ یہاں کے باشندے احکام الٰہی کا عملی پیکر بن کر دنیا بھر کے لیے ایک قابلِ تقلید مثال قائم کریں، لیکن ہماری ساری تیز رفتاری اس کی بالکل مخالف سمت میں صرف ہوتی رہی اور آج تک ہورہی ہے، جن گھروں سے کبھی کبھی تلاوت کی آواز آجایا کرتی تھی، اب وہاں صرف فلمی نغمے گونجتے ہیں، جہاں کبھی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف امت کی باتیں ہوجایا کرتی تھیں، اب وہاں باپ بیٹوں کے درمیان بھی ٹی وی، فلموں پر تبصرے ہی زیر بحث رہتے ہیں، جن گھرانوں میں کبھی کسی اجنبی عورت کی تصویر کا داخلہ محال تھا، اب وہاں باپ بیٹیاں اور بہن بھائی ایک ساتھ بیٹھ کر نیم برہنہ رقص دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، جن خاندانوں میں کبھی حرام آمدنی سے آگ کے انگاروں کی طرح پرہیز کیا جاتا تھا، اب وہاں نسلیں کی نسلیں سود، رشوت اور قمار سے پروان چڑھ رہی ہیں، جو خواتین پہلے برقعہ کے ساتھ نکلتی ہوئی ہچکچاتی تھیں، اب وہ دوپٹے تک کی قید سے آزاد ہورہی ہیں، غرض اسلامی احکام سے عملی اعراض اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ مستقبل کا تصور کر کے بعض اوقات روح کانپ اٹھتی ہے۔

اس تشویشناک صورتِ حال کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں، لیکن اس وقت اس کے صرف ایک سبب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، خدا کرے کہ اسے

اسی توجہ اور اہتمام کے ساتھ سن اور سمجھ لیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

وہ سبب یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو لوگ دین دار سمجھے جاتے ہیں، وہ بھی اپنے گھر والوں کی دینی اصلاح وتربیت سے بالکل بے فکر ہو کر بیٹھ گئے ہیں، اگر آپ اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں تو ایسی بیسیوں مثالیں آپ کو نظر آجائیں گی کہ ایک سربراہِ خاندان اپنی ذات میں بڑا نیک اور دین دار انسان ہے، صوم وصلوۃ کا پابند ہے، سود و رشوت قمار اور دوسرے گناہوں سے پرہیز کرتا ہے، اچھی خاصی دینی معلومات رکھتا ہے اور مزید حاصل کرنے کا شوقین ہے، لیکن اس کے گھر کے دوسرے افراد پر نگاہ ڈالیے تو ان میں ان اوصاف کی کوئی جھلک خورد بین لگا کر بھی نظر نہیں آتی، مذہب، خدا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت اور آخرت جیسی چیزیں سوچ بچار کے موضوعات سے یک لخت خارج ہو چکی ہیں، ان کی بڑی سے بڑی عنایت اگر کچھ ہے تو یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے مذہبی طرزِ عمل کو گوارا کر لیتے ہیں، اس سے نفرت نہیں کرتے، لیکن اس سے آگے وہ نہ کچھ سوچتے ہیں، نہ سوچنا چاہتے ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور اولاد کی مکمل ہدایت ماں باپ کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے، نوح علیہ السلام کے گھر میں بھی کنعان پیدا ہو جاتا ہے، لیکن یہ فریضہ تو ہر مسلمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے،(۱) اگر کوشش کے باوجود راہِ راست پر نہیں آتے تو بلاشبہ وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کی طرف کوئی دلی توجہ نہیں کرتا، اور اس نے اپنے تئیں دین

(۱) قال اللہ تبارك وتعالیٰ ''قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا'' سورۃ التحریم آیت (٦)

پر عمل کر کے اپنے گھر والوں کو حالات کے دھارے پر بے فکری سے بہتا چھوڑ دیا ہے، تو وہ ہرگز اللہ کے نزدیک بَری نہیں ہے، اس کی مثال بالکل اس احمق کی سی ہے، جو اپنے بیٹے کو خودکشی کرتے ہوئے دیکھے اور کہے کہ جوان بیٹا اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

کنعان بلا شبہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کا بیٹا تھا، اور آخر دم تک اس کی اصلاح نہ ہوسکی، لیکن یہ بھی تو دیکھیے کہ اس کے جلیل القدر باپ نے اسے راہ راست پر لانے کے لیے کیا کیا جتن کیے؟ کیسے کیسے پاپڑ بیلے؟ کس کس طرح خون کے گھونٹ پی کے اسے تبلیغ کی؟ اس کے بعد بھی اس نے اپنے لیے سفینۂ ہدایت کے بجائے کفر و ضلالت کی موجیں ہی منتخب کیں، تو بے شک حضرت نوح علیہ السلام اصلاح کی ذمہ داری سے بَری ہوگئے، لیکن کیا آج کوئی ہے جو اپنی اولاد کی اصلاح کے لیے فکر و عمل کی اتنی توانائیاں صرف کر رہا ہو؟

قرآنِ کریم نے ایک مسلمان پر صرف اپنی اصلاح کی ذمہ داری عائد نہیں کی، بلکہ اپنے گھر والوں، اپنی اولاد، اپنے عزیز و اقارب، اور اپنے اہل خانہ کو راہِ راست پر لانے کی کوشش بھی اس پر ڈالی ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ احکامِ الٰہی پر کاربند کون ہوگا؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی نبوت کے بعد جو سب سے پہلا تبلیغی حکم نازل ہوا وہ یہ تھا کہ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [1]

اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے قریبی اہلِ خاندان کو (عذابِ الٰہی سے) ڈرایئے۔

---

(۱) سورۃ الشعراء آیت (۲۱٤)۔

چنانچہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خاندان کو کھانے پر جمع فرمایا اور کھانے کے بعد ایک مؤثر خطبہ دیا جس کے مندرجہ ذیل جملے روایات میں محفوظ رہ سکے ہیں:

يَا فَاطِمَةَ ابْنَةَ مُحَمَّدٍ، يَا صَفِيَّةَ ابْنَةَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، يَا بَنِي عَبْدِ المطَّلِبِ، لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ، يَا بَنِي عَبْدِ المطَّلِبِ إِنِّي وَاللهِ مَا أَعْلَمُ شَابًّا مِنَ الْعَرَبِ جَاءَ قَوْمَهُ بِأَفْضَلَ مِمَّا جِئْتُكُمْ بِهِ، إِنِّي قد جِئْتُكُمْ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، فَأَيُّكُمْ يُؤَازِرُنِي عَلٰى هٰذَا الْأَمْرِ عَلَى أَنْ يَكُونَ أَخِي (۱)

ترجمہ: اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبد المطلب، اے بنی عبد المطلب! مجھے اللہ کی طرف سے تمہارے حق میں کوئی اختیار نہیں، تم (میرے مال میں سے) جتنا چاہو مجھ سے مانگ لو۔ اے بنی عبد المطلب! خدا کی قسم جو چیز میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں، مجھے عرب میں کوئی جوان ایسا معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس چیز سے بہتر کوئی شے لایا ہو، میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف سے

(۱) ماخوذ از تفسیر ابن کثیر ۶/۱۵۰ تا ۱۵۲ طبع دار الکتب العلمیۃ۔ واصلہ فی صحیح مسلم ۱/۱۹۲ (۲۰۴-۲۰۵)۔

دعوت دوں، تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرے ہاتھ
مضبوط کرے، اور اس کے نتیجے میں میرا بھائی بن جائے۔

آنحضرت ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی رہی ہے کہ انہوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے گھر والوں سے کیا، اور خود احکامِ الٰہی پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کی دینی تربیت پر اپنی پوری توجہ صرف فرمائی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کرکے جو وصیت فرمائی اس کا تذکرہ قرآنِ کریم نے اس طرح کیا ہے:

إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (۱)

جب (یعقوب علیہ السلام نے) اپنے بیٹوں سے کہا کہ "تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟" انہوں نے کہا کہ "ہم اس ذاتِ پاک کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے آباء واجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق (علیہم السلام) پرستش کرتے آئے ہیں"، یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے، اور ہم اسی کی اطاعت پر قائم رہیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں:

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۳۳)۔

دُعَآء (۱)

اے میرے پروردگار! مجھے بھی نماز کا پابند بنایئے، اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول کرلیجیے۔

انبیاء علیہم السلام کی ایک دو ایسی نہیں دسیوں دعائیں منقول ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اولاد اور اہلِ خانہ کی دینی اصلاح کی فکر ان حضرات کی رَگ رَگ میں سمائی ہوئی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام مسلمانوں کو خود عذابِ الٰہی سے بچنے کی تاکید فرمائی وہاں گھر والوں کو بھی اس سے بچانے کی ذمہ داری ان پر عائد کی ہے، ارشاد ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (۲)

اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (۳)

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو۔

قرآن وحدیث کے یہ واضح احکام اور انبیاء علیہم السلام کی یہ سنتِ جاریہ اس

(۱) سورة ابراهيم آيت (٤٠)۔
(۲) سورة التحريم آيت (٦)۔
(۳) سورة طه آيت (۱۳۲)۔

بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ ایک مسلمان کے ذمہ صرف اپنی ذات کی دینی اصلاح ہی نہیں ہے، بلکہ اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں کی دینی تربیت بھی اس کے فرائض میں داخل ہے، اور درحقیقت اس کے بغیر انسان کا خود دین پر ٹھیک کاربند رہنا ممکن بھی نہیں ہے، اگر کسی شخص کا سارا گھریلو ماحول دین بیزار اور خدا نا آشنا ہو تو وہ اپنی ذات میں کتنا ہی دین دار کیوں نہ ہو، ایک نہ ایک دن اپنے ماحول سے ضرور متاثر ہوگا، اس لیے خود اپنے آپ کو استقامت کے ساتھ صراطِ مستقیم پر رکھنے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اپنے گردوپیش کو فکر و عمل کے اعتبار سے اپنا ہم مشرب بنایا جائے۔

آج ہمارے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے اس فریضے سے یکسر غافل ہوچکے ہیں۔ بڑے بڑے دین دار گھرانوں میں نئی نسل کی دینی تربیت بالکل خارج از بحث ہوگئی ہے، اور اگلے وقتوں کے لوگ حالات کے آگے سپر ڈال کر اپنی اولاد کو زمانے کے بہاؤ پر چھوڑ چکے ہیں۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ ہم نے تو اپنے اہل خانہ کو دینی رنگ میں رنگنے کی بڑی کوشش کی لیکن زمانے کی ہوا ہی ایسی ہے کہ ہمارے وعظ و نصیحت کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا، مگر بعض اوقات یہ خیال شیطان کے دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، سوال یہ ہے کہ آپ نے کتنی لگن، کتنے اضطراب اور کتنی دل سوزی کے ساتھ یہ کوششیں کی ہیں؟ اگر آپ کی اولاد جسمانی طور پر بیمار ہوجائے یا اس کا کوئی عضو خدا نہ کرے آگ میں جلنے لگے تو آپ اپنے دل میں کتنی تڑپ محسوس کرتے ہیں؟ اور یہ تڑپ آپ سے کیسے کیسے مشکل کام کرالیتی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اپنی اولاد کو گناہوں میں مبتلا دیکھ کر کبھی آپ نے اتنی تڑپ محسوس

کی ہے؟ اگر واقعتاً اولاد کی دینی اور اخلاقی تباہی کو دیکھ کر آپ میں اتنی تڑپ پیدا ہوئی ہے جتنی اسے بیمار دیکھ کر ہوتی ہے، اور آپ نے اسے دینی تباہی سے بچانے کی ایسی کوشش کی ہے، جتنی جسمانی ہلاکت سے بچانے کے لیے کرتے ہیں، تو بلاشبہ آپ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

لیکن اگر آپ نے اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اتنی لگن، ایسے جذبے اور اتنی کاوش کا مظاہرہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ایک معمولی سی آگ اپنے بچے کے قریب دیکھ کر آپ کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے ہیں، اور جہنم کی ابدی آگ جس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، اسے آپ اپنی اولاد کے سامنے منہ کھولے دیکھتے ہیں، مگر آپ کی محبت و شفقت کوئی جوش نہیں مارتی؟ اگر آپ اپنے ننھے سے بچے کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دیکھ لیتے ہیں تو اس کے رونے دھونے کی پرواہ کیے بغیر جب تک اس کے ہاتھ سے وہ پستول چھین نہ لیں چین سے نہیں بیٹھ سکتے، لیکن کیا وجہ ہے جب وہی اولاد آپ کو دینی تباہی کے آخری سرے پر نظر آتی ہے، تو آپ صرف ایک دو مرتبہ زبانی وعظ و نصیحت کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا؟

سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی سنجیدگی اور اہتمام کے ساتھ اپنے گھر کی اصلاح کی مؤثر تدبیریں سوچی ہیں؟ جس لگن اور دلچسپی کے ساتھ آپ اپنی اولاد کے لیے روزگار تلاش کرتے ہیں، کیا اتنی لگن کے ساتھ اس کی تربیت کے راستے تلاش کیے ہیں؟ جس خضوع و خشوع اور سوزِ قلب کے ساتھ آپ ان کی صحت کے لیے دعائیں کرتے ہیں، کیا اسی طرح آپ نے ان کے لیے اللہ سے صراطِ مستقیم طلب کی ہے؟ اگر ان میں سے کوئی کام آپ نے نہیں کیا تو آپ کو

اپنے اہلِ خانہ کی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

ان ساری گزارشات کا منشاء صرف یہ ہے کہ نئی نسل جس برق رفتاری کے ساتھ فکری گمراہی اور عملی بے راہ روی کی طرف بڑھ رہی ہے، اس کا پہلا مؤثر علاج خود ہمارے گھروں میں ہونا چاہیے۔ اگر مسلمانوں میں اپنے گھر کی اصلاح کا خاطر خواہ جذبہ اس کی سچی لگن اور اس کی حقیقی تڑپ پیدا ہوجائے تو یقین کیجیے کہ آدھی سے زائد قوم خود بخود سدھر سکتی ہے۔

اگر کوئی ''دین دار'' شخص یہ سمجھتا ہے کہ میری اولاد خدا بیزاری کی جس راہ پر چل رہی ہے، حقیقت میں اس کے لیے وہی راہ درست ہے اور ہم نے اپنے گرد مذہب و اخلاق کے بندھن کو باندھ کر غلطی کی تھی تو ایسے ''دین دار'' کے حق میں تو دنیا و آخرت کے خسارے پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ لیکن اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا دین، دین برحق ہے، اور مرنے کے بعد جزا وسزا کے مراحل پیش آنے والے ہیں، تو پھر خدا کے لیے اپنی اولاد کو بھی اس جزا و سزا کے دن کے واسطے تیار کیجیے، اسے ضروری دینی تعلیم دلوایئے، اس کے ذہن کی شروع ہی سے ایسی تربیت کیجیے کہ اس میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو، اس کی صحبت اور اس کا ماحول درست رکھنے کا اہتمام کیجیے، اپنے گھروں کو تلاوتِ قرآن اور اسلافِ امت کے تذکروں سے آباد کیجیے۔ گھر میں کوئی ایسا وقت نکالیے جس میں سارے گھر والے اجتماعی طور پر دینی کتب کا مطالعہ کریں، اپنے ذاتی عمل کو ایسا دلکش بنایئے کہ اولاد اس کی تقلید کرنے پر فخر محسوس کرے، اپنے اہل و عیال اور اقارب و احباب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے اور

رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کے بعد بھی ہوسکتا ہے کہ چند مثالیں ایسی باقی رہ جائیں جو اپنی بدخمیری کی وجہ سے اصلاح پذیر نہ ہوسکیں، لیکن یقین ہے کہ اگر اس مقصد کے لیے اتنا اہتمام کرلیا گیا تو نئی نسل کی ایک بھاری اکثریت راہِ راست پر آجائے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی محنت اور کوشش میں برکت دی ہے، اور دین کی دعوت وتبلیغ میں جو محنت کی جائے اس کی کامیابی کا خصوصی وعدہ کیا گیا ہے، اس لیے ناممکن ہے کہ اپنے گھر کی اصلاح کی یہ کوشش بالکل بارآور نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ　　　محمد تقی عثمانی

خاندانی نظام

(ذکر و فکر ص ۳۰۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی نظام

عائلی زندگی معاشرے کا وہ بنیادی پتھر ہے جس پر تہذیب وتمدن کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، اگر معاشرے میں خاندانی نظام کا ڈھانچہ توڑ پھوڑ اور افراتفری کا شکار ہوتو خواہ زمینیں سونا اگل رہی ہوں، یا مشینوں سے لعل وجواہر برآمد ہورہے ہوں، زندگی سکون سے محروم ہوجاتی ہے۔ آج یورپ اور امریکہ کی وہ دنیا جو سیاسی اور معاشی اعتبار سے پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں کے لیے قابلِ رشک سمجھی جاتی ہے، خاندانی نظام کی توڑ پھوڑ کی وجہ سے اسی سنگین مسئلے سے دو چار ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دولت کی ریل پیل اور تیز رفتار مادی ترقی کے باوجود لوگ ایک انجانے اضطراب کا شکار ہیں، اپنی اندرونی بے چینی سے گھبرا کر کوئی یوگا کے دامن میں پناہ لے رہا ہے، کوئی منشیات اور خواب آور دواؤں میں سکون ڈھونڈ رہا ہے، اور بالآخر جب ان میں سے کوئی چیز اس بے چینی کا علاج نہیں کر پاتی، تو آخری چارۂ کار کے طور پر لوگ خودکشی کررہے ہیں، اور خودکشی کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے میں سوئٹزرلینڈ میں تھا، میرے میزبانوں نے آمدورفت کے لیے جس گاڑی کا انتظام کیا تھا، اس کا ڈرائیور ایک اطالوی نسل کا تعلیم یافتہ آدمی تھا، اور انگریزی روانی سے بول لیتا تھا، وہ چند روز میرے ساتھ رہا، اس کی عمر تقریباً چالیس سال کو پہنچ رہی تھی، لیکن ابھی تک اس نے شادی نہیں کی تھی، میرے وجہ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ہمارے معاشرے میں شادی اکثر اس لیے بے مقصد ہوجاتی ہے کہ شادی کے بعد شوہر اور بیوی کے درمیان زندگی کی پائیدار رفاقت کا تصور بہت کمیاب ہے، اس کے بجائے شادی ایک رسمی تعلق کا نام رہ گیا ہے، جس کا مقصد بڑی حد تک ایک دوسرے سے مالی فوائد حاصل کرنا ہوتا ہے، بہت سی خواتین شادی کے بعد جلد ہی طلاق حاصل کرلیتی ہیں، اور یہاں کے قوانین کے مطابق شوہر کی جائیداد کا بڑا حصہ ہتھیا کر اسے دیوالیہ کر جاتی ہیں، اور یہ پہچاننا مشکل ہوتا ہے کہ کونسی عورت صرف شوہر کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے شادی کررہی ہے، اور کون وفاداری سے ساتھ گذارنے کے لیے، اس نے حسرت بھرے انداز میں یہ بات کہہ کر ساتھ ہی یہ تبصرہ بھی کیا کہ آپ کے ایشیائی ممالک میں شادی واقعی با مقصد ہوتی ہے، اس سے ایک جما ہوا خاندان وجود میں آتا ہے، جس کے افراد آپس میں دکھ سکھ کے ساتھ ہوتے ہیں، ہم ایسے خاندانی ڈھانچے سے محروم ہوتے جارہے ہیں، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین یا بہن بھائی تمہیں اچھی بیوی کی تلاش میں مدد نہیں دیتے؟ اس نے یہ سوال بڑے تعجب کے ساتھ سنا، اور کہنے لگا کہ ''میرے والدین تو رخصت ہوچکے، بہن بھائی ہیں، لیکن ان کا میری شادی سے کیا تعلق؟ ہر شخص اپنے مسائل کو خود ہی حل کرتا ہے، میری تو ان سے ملاقات کو بھی سال گزر جاتے ہیں''۔

یہ ایک ڈرائیور کے تاثرات تھے (واضح رہے کہ یورپ کے سفید فام

ڈرائیور بھی اکثر پڑھے لکھے اور بعض اوقات خاصے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، جس ڈرائیور کا میں نے ذکر کیا اس کا نام آرلینڈ تھا، وہ گریجویٹ تھا، اور تاریخ، جغرافیہ اور بہت سے سماجی معاملات پر اس کا مطالعہ خاصا تھا) ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے ذاتی حالات کی وجہ سے کچھ مبالغے سے بھی کام لیا ہو، لیکن مغرب میں خاندانی ڈھانچے کی ٹوٹ پھوٹ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر زیادہ دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، یہ بات پوری دنیا میں مشہور ومعروف ہے۔ مغرب کے اہلِ فکر اس پر ماتم کررہے ہیں، اور جوں جوں اس کا علاج کرنا چاہتے ہیں اتنی ہی تیز رفتاری سے خاندان کا ڈھانچہ مزید تباہی کی طرف جارہا ہے۔

سابق سوویت یونین کے آخری صدر میخائل گورباچوف اب دنیا کے سیاسی منظر سے تقریباً غائب ہوچکے، لیکن ان کی کتاب Perestroika جو انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں لکھی تھی، نہ صرف سوویت یونین، بلکہ پوری مغرب کے سماجی اور معاشی نظام پر ایک جرأت مندانہ تبصرے کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس کے بعض حصوں میں آج بھی غوروفکر کا بڑا سامان ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے خواتین اور خاندان (Women and Family) کے عنوان سے خاندانی نظام کی شکست وریخت پر بھی بحث کی ہے، انہوں نے شروع میں لکھا ہے کہ تحریکِ آزادیٔ نسواں کا یہ پہلو تو بے شک قابلِ تعریف ہے کہ اس کے ذریعے عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق ملے، عورتیں زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے قابل ہوئیں، اور اس کے نتیجے میں ہماری معاشی پیداوار میں اضافہ ہوا، لیکن آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

"But over the years of our difficult and heroic history, we failed to pay attention to women's specific rights and needs arising from their role as mother and home-maker, and their in-dispensable educational function as regards children. Engaged in scientific research, working on construction sites,in production and in the serivces, and anvolved in creative activities, women no longer have enough time to perform thier everyday duties at home houswork, the upbringing of children and the creation of a good family atmosphere. We have discovered that many of our problems in children's and young people's be- havior, in our morals, culture and in production are partially caused by the weakening of family ties and slack attitude to family responsibilities. This is a paradoxical result of our sincere and politically justified desire to mage women equal with man in every thing. Now, in the course of perestroika, we have begun to overcome this shortcoming. That is why we are now holding heated debates in the press, in public organization of what we shaould do to make it possible for women to return to their purely womanly mission."

ترجمہ: ’’لیکن اپنی مشکل اور جرأت مندانہ تاریخ کے پچھلے سالوں میں ہم خواتین کے ان حقوق اور ضروریات کی طرف

توجہ دینے میں ناکام رہے جو ایک ماں اور گھر ساز کی حیثیت میں، نیز بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں ان کے ناگزیر کردار سے پیدا ہوتے ہیں، خواتین چونکہ سائنسی تحقیق میں مشغول ہوگئیں، نیز زیر تعمیر عمارتوں کی دیکھ بھال میں، پیداواری کاموں اور خدمات میں اور دوسری تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف رہیں، اس لیے ان کو اتنا وقت نہیں مل سکا کہ وہ خانہ داری کے روز مرّہ کے کام انجام دے سکیں، بچوں کی پرورش کرسکیں، اور ایک اچھی خاندانی فضا پیدا کرسکیں، اب ہمیں اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ ہمارے بہت سے مسائل جو بچوں اور نوجوانوں کے رویے، ہماری اخلاقیات، ثقافت اور پیداواری عمل سے تعلق رکھتے ہیں، اس وجہ سے بھی کھڑے ہوئے ہیں کہ خاندانی رشتوں کی گرفت کمزور پڑگئی ہے، اور خاندانی فرائض کے بارے میں ایک غیر ذمے دارانہ رویّہ پروان چڑھا ہے، ہم نے عورتوں کو ہر معاملے میں مردوں کے برابر قرار دینے کی جو مخلصانہ اور سیاسی اعتبار سے درست خواہش کی تھی، یہ صورت حال اس کا تضاد آفرین نتیجہ ہے، اب اپنی تعمیر نو کے دوران ہم نے اس خامی پر قابو پانے کا عمل شروع کردیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم پریس میں، عوامی تنظیمات میں، کام کے مقامات میں، اور خود گھروں میں ایسے گرما گرم مباحثے منعقد کررہے ہیں جن میں اس سوال پر بحث کی جارہی ہے کہ عورت کو اس

کے خالص نسوانی مشن کی طرف واپس لانے کے لیے ہمیں
کیا اقدامات کرنے چاہییں؟''

(Perestroica , p.117 ed. 1987)

یہ ایک ایسے سیاسی لیڈر کا تبصرہ ہے جس کے معاشرے میں خاندان سے متعلق مرد وعورت کے حقوق وفرائض کے بارے میں کسی قسم کی مذہبی اقدار کا کوئی تصور یا تو موجود نہیں ہے، یا اگر ہے تو اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، لہٰذا خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ پر اس کا اظہارِ افسوس کسی اعلیٰ آسمانی ہدایت کے زیر اثر نہیں، بلکہ اس کے صرف ان نقصانات کی بنا پر ہے جو ٹھیٹھ مادی زندگی میں اسے آنکھوں سے محسوس ہوئے، ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم صرف ظاہری اور مادی یا دنیوی نفع ونقصان کے نہیں، بلکہ ان آسمانی ہدایات کے بھی پابند ہیں، جو قرآن وسنت کے واسطے سے ہمارے لیے واجب العمل ہیں، لہٰذا خاندانی نظام کی ابتری صرف ہمارا سماجی اور معاشرتی نقصان ہی نہیں ہے، بلکہ ہمارے عقیدے ہمارے نظریۂ حیات اور ہمارے دین کے لحاظ سے ایک بہت بڑا فساد ہے جو ایک مسلم معاشرے میں کسی بھی طرح قابل برداشت نہیں۔

جب سے ہمارے درمیان مغربی افکار کا ایک سیلاب اُمڈا ہے، اور بالخصوص جب سے ٹی وی، ویڈیو اور انگریزی فلموں کے بہتات نے ہمارے معاشرے پر ثقافتی یلغار شروع کی ہے، اس وقت سے ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر انہی معاشرتی تصورات کی طرف بڑھ رہے ہیں جن کی داغ بیل مغرب نے ڈالی تھی۔ الحمد للہ! ابھی ہمارا خاندانی نظام درہم برہم نہیں ہوا، لیکن جس رفتار سے مغربی ثقافت ہمارے درمیان پھیل رہی ہے، انگریزی فلموں کے سیلاب نے مغربی طرزِ زندگی

کو جس طرح گھر گھر اور گاؤں گاؤں پھیلا دیا ہے، جس طرح بے سوچے سمجھے خواتین کو گھروں سے نکالنے اور انہیں ایک عامل معیشت Factor of production بنانے پر زور دیا جارہا ہے، اور گھر اور خاندان کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے جس تیزی کے ساتھ دوری اختیار کی جارہی ہے، وہ مستقبل میں ہمارے خاندانی نظام کے لیےایک زبردست خطرہ ہے جس کی روک تھام آج ہی سے ضروری ہے اور اس روک تھام کا طریقہ اسلام کی ان معتدل تعلیمات کی ٹھیک ٹھیک پیروی کے سوا کچھ نہیں جو نہ مشرقی ہیں نہ مغربی، جن کا ماخذ ومنبع وحیِ الٰہی ہے اور وہ ایک ایسی ذات کی وضع کردہ تعلیمات ہیں جو انسان کے حال و مستقبل کی تمام ضروریات سے بھی پوری طرح باخبر ہے، اور انسانی نفس کی ان چوریوں کو بھی خوب جانتی ہے جو زہر ہلاہل پر قند وشکر کی تہیں چڑھانے میں مہارتِ تامہ رکھتی ہے، لہٰذا ہمارا کام وقت کے ہر چلے ہوئے نعرے کے پیچھے چل پڑنا نہیں ہے، بلکہ اسے قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ ہمارے مزاج ومذاق کے مطابق ہے یا نہیں؟ جب تک ہم میں یہ جرأت اور یہ بصیرت پیدا نہ ہوگی، ہم باہر کی ثقافتی یلغار کے لیے ایک تر نوالہ بنے رہیں گے، اور ہماری اجتماعی زندگی کی ایک ایک چول رفتہ رفتہ ہلتی چلی جائیں گی۔

۱۹/ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ

۸/مئی ۱۹۹۶ء

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

پہلا سبب

(اصلاحی خطبات ۱۱ / ۱۷۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ»، قَالُوا: بَلٰى، قَالَ: «صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ،

فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ». (۱)

امت محمدیہ کے حکیم

یہ حدیث حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور حضورِ اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "حکیم هذه الامة" کا لقب عطا فرمایا تھا (۲) یعنی یہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حکیم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو "حکمت" عطا فرمائی تھی۔

سوال کے ذریعہ طلب پیدا کرنا

وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: "کیا میں تمہیں ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہے؟" یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ گفتگو تھا کہ جب کسی چیز کی اہمیت بیان کرنی منظور ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خود ہی سوال فرمایا کرتے تھے، تاکہ ان کے دل میں طلب پیدا ہوجائے۔ اگر دل میں طلب ہو تو اس وقت جو بات کہی جائے اس کا اثر بھی ہوتا ہے، اور اگر دل میں طلب نہ ہو تو کیسی بھی اچھی سے اچھی بات کہہ دی جائے، کیسا ہی اچھے سے اچھا نسخہ بتادیا جائے، بہتر

---

(۱) سنن ابی داود ۲۸۰/٤ (٤٩١٩) وسنن الترمذی ٢٧٩/٤ (٢٥٠٩) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

(۲) مسند الحارث كما فى بغية الباحث ۹۲۵/۲ (۱۰۱۹) طبع مركز خدمة السنة النبوية المدينة المنورة. ومسند الشاميين ۸۸/۲ (۹٦۷) طبع موسسة الرسالة۔

سے بہتر تعلیم دے دی جائے، ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ طلب بڑی چیز ہے۔

دین کی طلب پیدا کریں

اس لیے بزرگانِ دین نے فرمایا کہ انسان کی کامیابی کا راز اس میں ہے کہ انسان اپنے اندر دین کی طلب اور دین کی باتوں پر عمل کرنے کی طلب پیدا کرلے۔ جب یہ طلب پیدا ہوجاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود نواز دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

یعنی پانی کم تلاش کرو، پیاس زیادہ پیدا کرو، جب پیاس پیدا ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ پھر اوپر اور نیچے ہر طرف سے پانی جوش مارتا ہے۔ یہ طلب بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

''طلب'' بے چینی پیدا کرتی ہے

یہ ''طلب'' وہ چیز ہے کہ جب ایک مرتبہ انسان کے اندر پیدا ہوجائے تو پھر انسان کو چین لینے نہیں دیتی، بلکہ اس کو بے تاب رکھتی ہے، جب تک انسان کو مقصود حاصل نہ ہوجائے انسان کو چین نہیں آتا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جب انسان کو بھوک لگ جائے اور ''بھوک'' کے معنی ہیں ''کھانے کی طلب'' تو

جب انسان کو بھوک لگی ہوئی ہوگی تو کیا انسان کو چین آئے گا؟ کسی دوسرے کام کو کرنے کا دل چاہے گا؟ جب کھانے کی طلب لگی ہوئی ہے تو آدمی کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ اس کو کھانا نہ مل جائے۔ اگر انسان کو پیاس لگی ہوئی ہے تو ''پیاس'' کے معنی ہیں ''پانی کی طلب'' جب تک پانی نہیں مل جائے گا اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ''دین'' کی بھی ایسی ہی طلب پیدا فرمادے، جب یہ طلب پیدا ہوجاتی ہے تو انسان کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک دین حاصل نہ ہوجائے بلکہ بے چینی لگی رہتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور دین کی طلب

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی حال تھا کہ ان میں سے ہر شخص کو یہ بے چینی لگی ہوئی تھی کہ مرنے کے بعد میرا کیا انجام ہونا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے، اس کے بعد یا جہنم ہے یا جنت ہے، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے، اس بے چینی کا نتیجہ یہ تھا کہ صبح سے لے کر شام تک معمولی معمولی کاموں میں بھی فکر لگی ہوئی ہے کہ معلوم نہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق ہے یا نہیں؟ کہیں اس کی وجہ سے میں جہنم کا مستحق تو نہیں ہوگیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فکرِ آخرت

یہاں تک کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے

اور آ کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ نافق حنظلة" حنظلہ تو منافق ہوگیا، اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ میں تو منافق ہوگیا۔ حضور اقدس ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہوگئے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں آپ (ﷺ) کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو اس وقت تو آخرت کی فکر لگی ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں، اور اس کی وجہ سے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر بیوی بچوں کے پاس گھر جاتے ہیں تو اس وقت دل کی یہ کیفیت باقی نہیں رہتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تو منافق ہوگیا، اس لیے کہ آپ کے پاس ایک حالت ہوتی ہے اور گھر جا کر دوسری حالت ہوجاتی ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ اے حنظلہ! یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے، کسی وقت انسان پر ایک حال کا غلبہ ہوجاتا ہے اور دوسرے وقت دوسری حالت کا غلبہ ہوجاتا ہے، اس لیے پریشان نہ ہوں، بلکہ جو کام اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں ان میں لگے رہو، ان شاء اللہ بیڑا پار ہوجائے گا۔ لہٰذا یہ فکر کہ میں کہیں منافق تو نہیں ہوگیا، یہ آخرت کی طلب ہے جو بے چین کررہی ہے[1]۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور فکر آخرت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی، خلیفہ ثانی، جن کے

(۱) صحیح مسلم ٤/٢١٠٦ (٢٧٠٥)۔

بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے (۱)

اور جن کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جس راستے سے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) گزر جاتے ہیں، اس راستے سے شیطان نہیں گزرتا، شیطان رستہ بدل دیتا ہے (۲)۔

وہ عمر جن کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

میں نے جنت کے اندر تمہارا محل دیکھا ہے (۳)۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تمام باتیں سننے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لیے یہ بتاؤ کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی جو فہرست تمہیں بتائی ہے ان میں کہیں میرا نام تو نہیں ہے؟ (۴) یہ فکر اور طلب لگی ہوئی ہے۔

طلب کے بعد مدد آتی ہے

اور جب طلب لگ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے عطا فرما ہی دیتے ہیں۔ اس لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

---

(۱) مسند احمد ۸/۶۲۴(۱۷۴۰۵) وسنن الترمذی ۶/۵۹(۳۶۸۶) وقال ھذا حدیث حسن غریب۔

(۲) صحیح البخاری ۴/۱۲۶(۳۲۹۴)۔

(۳) صحیح البخاری ۴/۱۷۴(۳۲۴۲) وصحیح مسلم ۴/۱۸۶۳(۲۳۹۵)۔

(۴) الزھد لوکیع بن الجراح ص ۷۹۱ (۴۷۷) طبع مکتبۃ الدار، المدینہ المنورۃ وتاریخ دمشق لابن عساکر ۱۲/۲۷۶۔ طبع دار الفکر۔

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

''پانی تلاش کرنے سے زیادہ پیاس پیدا کرو'' دل میں ہر وقت کھٹک اور بے چینی اور بے تابی لگی ہوئی ہو کہ مجھے صحیح بات کا علم ہو جائے، اور جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرما ہی دیتے ہیں، ان کی سنت یہ ہے کہ کسی سچے طالب کو جس کے دل میں طلب صادق ہو آج تک اللہ تعالیٰ نے رد نہیں فرمایا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پہلے طلب پیدا فرماتے تھے۔ اس لیے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اور اجر و ثواب کا ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز سے بھی افضل، روزوں سے بھی افضل اور صدقہ سے بھی افضل ہو؟ یہ سوال کر کے ان کے اندر شوق اور طلب پیدا فرما رہے ہیں۔

نماز کے ذریعہ قربِ خداوندی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ضرور بتائیے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر وقت یہ دھن لگی ہوئی تھی کہ کون سی چیز ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا عطا کرنے والی ہے۔ اور اب تک روزے کی، نماز کی اور صدقے کی فضیلت سن چکے تھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے[1]۔ ایک اور حدیث

(۱) سنن الترمذی ٤/٣٦٢ (٢٦١٦) وقال هذا حديث حسن صحيح۔ وشعب الايمان للبيهقی ٤/٣٠٠ (٢٥٥٠)

میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے اور جتنے نوافل زیادہ پڑھتا ہے وہ اتنا ہی میرے قریب ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ ایک درجہ ایسا آجاتا ہے کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، گویا کہ نوافل کی کثرت کے نتیجے میں وہ انسان اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ اس انسان کا سراپا اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر بن جاتا ہے (۱)۔ صحابہ کرام نماز کی یہ فضیلت سن چکے تھے، اس لیے ان کے ذہنوں میں یہ تھا کہ نماز سے زیادہ افضل کیا چیز ہوگی؟

روزے کی فضیلت

روزے کی یہ فضیلت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سن چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوسری عبادتوں کا اجر تو میں نے مقرر کردیا ہے کہ فلاں عبادت کا ثواب دس گنا، فلاں عبادت کا ثواب سو گنا اور فلاں عبادت کا ثواب سات سو گنا، لیکن روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

"الصوم لی وأنا اجزی به"(۲)

یہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

یعنی روزے کا جو اجر وثواب میں عطا کرنے والا ہوں وہ تمہاری گنتی میں اور تمہارے پیمانوں میں اس اجر وثواب کا تصور آہی نہیں سکتا، یہ روزہ چونکہ میرے لیے ہے، اس لیے اس کا اجر وثواب بھی اپنی شان کے مطابق دوں گا،

---

(۱) صحیح مسلم ۱/۳۵۰ (۴۸۲)۔

(۲) صحیح البخاری ۹/۱۴۳ (۷۴۹۲)۔

اپنی عظمت کے مطابق دوں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزے کی یہ فضیلت سن چکے تھے۔ اس لیے ان کے ذہنوں میں یہ تھا کہ روزہ بہت زیادہ افضل عبادت ہے۔

صدقہ کی فضیلت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدقہ کی یہ فضیلت سن چکے تھے کہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے سے سات سو گنا اجر و ثواب ملنا تو یقینی ہے اور یہ سات سو گنا ثواب بھی ہمارے حساب سے نہیں، بلکہ جنت کے حساب سے ملنا ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ صدقہ کرنا بہت افضل عبادت ہے[1]۔

سب سے افضل عمل جھگڑے ختم کرانا

اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا میں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس نماز سے بھی افضل ہے، اس روزے سے بھی افضل ہے، اس صدقہ کرنے سے بھی افضل ہے جن کی فضیلتیں تم نے سن رکھی ہیں؟ چنانچہ یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں شوق پیدا ہوا اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ چیز ضرور بتائیں تاکہ ہم وہ چیز حاصل کریں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ہمیں ان عبادات سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمادیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ چیز ہے:

"صَلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ"

یعنی اگر دو مسلمانوں کے درمیان ناچاقی، اختلاف اور کٹاؤ ہوگیا ہے یا دو

---

(۱) صحیح مسلم ۱۵۰۵/۳ (۱۸۹۲)۔

مسلمانوں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہوگیا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہیں تو اب کوئی ایسا کام کرو جس کے نتیجے میں ان کے درمیان وہ جھگڑا ختم ہوجائے اور دونوں کے دل آپس میں مل جائیں اور دونوں ایک ہوجائیں۔ تمہارا یہ عمل نماز سے بھی افضل ہے، روزے سے بھی افضل ہے، صدقہ سے بھی افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز بیان تھا۔

صلح کرانا نفل نماز روزے سے افضل ہے

لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ اس حدیث میں نماز روزے سے نفلی نماز روزے مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف تم ساری رات نفلی نمازیں پڑھتے رہو۔ سارا دن نفلی روزے رکھو اور بہت سا مال نفلی صدقہ کرو، تو ان میں سے ہر کام بڑی فضیلت اور ثواب کا ہے لیکن دوسری طرف دو مسلمان بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے اور اس جھگڑے کی وجہ سے دونوں کے درمیان ناچاقی پیدا ہوگئی ہے تو اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کروگے اور ان کے دل اور گلے ملوادو گے اور ان کے درمیان محبت پیدا کرادو گے تو اس صورت میں تم نے جو ساری رات نفل نمازیں پڑھی تھیں، نفل روزے رکھے تھے اور سینکڑوں روپے نفل صدقہ کے طور پر دیے تھے، ان سب سے زیادہ اجر وثواب تمہیں اس عمل میں حاصل ہوجائے گا۔ آپ اندازہ کریں کہ کتنی بڑی بات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی۔

آپس کے اختلافات دین کو مونڈنے والے ہیں

ایک طرف تو یہ فرمادیا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں محبتیں، بھائی

چارہ اور اخوت قائم کرنا تمام نفلی عبادتوں سے افضل ہے، اور دوسری طرف اگلا جملہ اس کے بالکل برعکس ارشاد فرمادیا کہ:

”وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ“

یعنی آپس میں جھگڑے، آپس کی نفرتیں اور ناچاقیاں یہ مونڈنے والی چیزیں ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ

آپس کے یہ جھگڑے تمہارے بالوں کو مونڈنے والے ہیں،

بلکہ یہ جھگڑے تمہارے دین کو مونڈنے والے ہیں[1]۔

کیونکہ جب آپس میں نفرتیں ہوتی ہیں اور جھگڑے ہوتے ہیں تو اس جھگڑے کی وجہ سے انسان نہ جانے کتنے بے شمار گناہوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، ان جھگڑوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کی غیبت ہوتی ہے، ایک دوسرے پر بہتان لگایا جاتا ہے، ایک دوسرے کی ایذاء رسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں۔ تو یہ جھگڑے بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

جھگڑوں کی نحوست

ان جھگڑوں کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ انسان دین سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور دین کا نور جاتا رہتا ہے اور دل میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس ﷺ نے جابجا یہ تاکید فرمائی کہ آپس کے جھگڑوں سے بچو۔

(۱) سنن الترمذی ۲۷۹/٤ (۲۵۰۹) معلقا۔

مصالحت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جماعت چھوڑ دینا

دیکھیے! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری حیات طیبہ میں مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کون نماز پڑھائے گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون نماز باجماعت کی پابندی کرے گا، لیکن پوری حیات طیبہ میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے وقت مسجد نبوی میں تشریف نہیں لاسکے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ اور نماز کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ فلاں قبیلے میں مسلمانوں کے دوگروہوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا ہے، چنانچہ ان کے جھگڑے کو ختم کرانے کے لیے اور ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قبیلہ میں تشریف لے گئے، اس مصالحت کرانے میں دیر لگ گئی، یہاں تک نماز کا وقت آ گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں ہیں، تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد میں تشریف لائے[1]۔

پوری حیات طیبہ میں صرف یہ ایک واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحت کی حالت میں نماز کے وقت مسجد نبوی میں تشریف نہ لاسکے، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے اور جھگڑا ختم کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے قرآن وحدیث ان ارشادات سے بھرے

(۱) صحیح البخاری ۳/۱۸۲ (۲۶۹۰)۔

ہوئے ہیں کہ خدا کے لیے مسلمانوں کے درمیان جھگڑوں کو کسی قیمت پر برداشت نہ کرو، جہاں کہیں جھگڑے کا کوئی سبب پیدا ہو، فوراً اس کو ختم کرانے کی کوشش کرو، اس لیے کہ یہ جھگڑے دین کو مونڈ دینے والے ہیں۔

جنت کے بیچ میں مکان دلانے کی ضمانت

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ (۱)

”میں اس شخص کے لیے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔“

یعنی وہ شخص حق پر تھا اور حق پر ہونے کی وجہ سے اگر وہ چاہتا تو اپنے اس حق کو وصول کرنے کے لیے مقدمہ دائر کر دیتا، یا کوئی اور طریقہ اختیار کر لیتا جس کے نتیجے میں اس کو اس کا حق مل جاتا، لیکن اس نے یہ سوچ کر کہ جھگڑا بڑھے گا اور جھگڑا بڑھانے سے کیا فائدہ؟ لہٰذا اپنا حق ہی چھوڑ دیا۔ ایسے شخص کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اتنی بڑی بات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

(۱) سنن ابی داود ۲۵۳/٤ (٤٨٠٠) وسنن الترمذی ۵۳۰/۳ (۱۹۹۳) وقال هذا حديث حسن ومسند الرویانی ۲۷۹/۲ (۱۲۰۰) طبع مؤسسة قرطبة

یہ ضمانت دوسرے اعمال پر نہیں

یہ ذمہ داری حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے عمل پر نہیں لی لیکن حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑنے والے کے لیے یہ ذمہ داری لے رہے ہیں۔ اس کے ذریعہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ آپس کے اختلافات ختم کردو، اللہ کے بندے بن جاؤ اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ[1] اور جھگڑے کے جو جو اسباب ہوسکتے ہیں، ان کو بھی ختم کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے وحدت میں، اخوت میں اور محبت میں ایک نور رکھا ہے، اس نور کے ذریعے انسان کی دنیا بھی روشن ہوتی ہے اور آخرت بھی روشن ہوتی ہے اور اگر آپس میں جھگڑے ہوں، فساد ہوں تو یہ ظلمت ہے، دنیا میں بھی ظلمت اور آخرت میں بھی ظلمت، جو انسان کے دین کو مونڈھ کر رکھ دیتی ہے۔

قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا التَقَى الـمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالقَاتِلُ وَالمَقْتُولُ فِي النَّارِ

اگر دو مسلمان تلوار کے ذریعہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کھڑے ہوجائیں اور آپس میں لڑائی کرنا شروع کردیں تو اگر ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کردے گا تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

---

(۱) صحيح البخاري ۱۹/۸ (٦٠٦٤)

نے سوال کیا یا رسول اللہ! قاتل تو جہنم میں جائے گا کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا، لیکن مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ حضورِ اقدس ﷺ نے جواب میں فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ حَرِيصاً عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ [1]

کیونکہ یہ مقتول بھی اپنے مدمقابل کو مارنے کے ارادے سے چلا تھا، اسی لیے تلوار اٹھائی تھی کہ اگر میرا داؤ چل گیا تو میں ماردوں گا، لیکن اتفاق سے داؤ اس کا نہیں چلا بلکہ دوسرے کا چل گیا، اس لیے یہ مقتول بن گیا اور وہ قاتل بن گیا، اسی وجہ سے یہ بھی جہنم میں وہ بھی جہنم میں۔ اس لیے فرمایا کہ کسی مسلمان کے ساتھ لڑائی کا معاملہ ہرگز نہ کرو۔

حبشی غلام حاکم کی اتباع کرو

ایک اور حدیث [2] میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی حبشی غلام بھی تم پر حاکم بن کر آجائے تو اس کے خلاف بھی تلوار مت اٹھاؤ، جب تک وہ کفر بواح کا ارتکاب نہ کرے، کیوں کہ اگر تم اس کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے تو کوئی تمہارا ساتھ دے گا اور کوئی دوسرے کا ساتھ دے گا، اس کے نتیجے میں مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہوجائیں گے اور ان کے درمیان منافرت پیدا ہوجائے گی اور مسلمانوں کے درمیان افتراق، انتشار اور ناچاقی کو حضورِ اقدس ﷺ نے کسی

---

(۱) صحیح البخاری ۹/٤(٦٨٧٥)۔

(۲) صحیح البخاری ۱/١٤١ (٦٩٦) ولفظه: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ: "اسْمَعْ وَأَطِعْ وَلَوْ لِحَبَشِيٍّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ" وفى سنن ابى داود ٤/٢٠٠ (٤٦٠٧) "أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا"۔

قیمت پر بھی برداشت نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمادیا کہ:

كُونُوا عِبَادَ اللهِ اِخوَانًا[1]

اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

آج زندگی جہنم بنی ہوئی ہے

جب ہمارے ذہنوں میں عبادت کا خیال آتا ہے تو نماز روزے کا تو خیال آتا ہے، صدقہ کا خیال آتا ہے، ذکر اور تسبیح کا خیال آتا ہے، تلاوت قرآنِ کریم کا خیال آتا ہے، اور الحمدللہ! یہ سب بھی اونچے درجے کی عبادتیں ہیں، لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ فرمارہے ہیں کہ ان سے بھی اونچے درجے کی چیز مسلمانوں کے درمیان آپس میں صلح کرانا ہے اور آج ہمارا معاشرہ حضورِ اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے اتنا دور چلا گیا ہے کہ قدم قدم پر منافرت ہے، جھگڑے اور لڑائیاں ہیں، نا اتفاقیاں ہیں، اور اس کی وجہ سے زندگی جہنم بنی ہوئی ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ یہ چیز دین کو مونڈنے والی ہے، اس نے آج ہمارے دین کو مونڈ ڈالا ہے، جس کی وجہ سے اس کی شناعت، قباحت اور اس کی برائی ہمارے دلوں میں بیٹھی ہوئی نہیں ہے۔

لوگوں کے درمیان اختلاف ڈالنے والے کام کرنا

اگر ہمارے معاشرے میں کوئی بے نمازی ہے یا کوئی شراب پیتا ہے یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہے، تو اس کو تو ہمارے معاشرے میں الحمدللہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ

(۱) صحیح البخاری ۱۹/۸ (۶۰۶٤)۔

یہ شخص برا کام کر رہا ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایسا کام کر رہا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان لڑائیاں ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان جھگڑے ہو رہے ہیں، تو اس کی طرف سے کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ اتنا بڑا مجرم ہے جتنا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مجرم قرار دے رہے ہیں، اور اس بات کی فکر بھی کسی کے دل میں نہیں ہے کہ ان جھگڑوں کو کیسے ختم کیا جائے؟ لہٰذا یہ بہت بڑا باب ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا اور آپس میں صلح کرانے کو نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل قرار دیا۔

ایسا شخص جھوٹا نہیں

یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ:

لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يَنْمِي خَيْراً(۱)

یعنی جو شخص ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے کی محبت پیدا کرنے کے لیے اور نفرت دور کرنے کے لیے کوئی ایسی بات کہہ دے جو بظاہر خلافِ واقعہ ہو، تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں شمار نہیں ہوگا۔

مثلاً ایک شخص کو معلوم ہوا کہ فلاں دو مسلمان بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں، یہ شخص چاہتا ہے کہ دونوں کے درمیان محبت ہو جائے، اب اگر یہ شخص جا کر ان میں سے کسی سے ایسی بات کہہ دے جو بظاہر خلافِ واقعہ ہے، مثلاً یہ کہہ دے کہ آپ تو فلاں سے اتنی

(۱) صحیح البخاری ۱۸۳/۳ (۲۶۹۲) وصحیح مسلم ۲۰۱۱/٤ (۲٦۰۵)۔

نفرت کرتے ہیں لیکن وہ تو آپ سے بہت محبت کرتا ہے، وہ تو آپ کے حق میں دعا کرتا ہے، میں نے اس کو آپ کے حق میں دعا کرتے دیکھا ہے۔

اب اگرچہ اس کا نام لے کر دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، لیکن دل میں یہ نیت کرلی کہ وہ یہ دعا تو کرتا ہی ہوگا کہ

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱)

جس کے معنی یہ ہیں کہ

اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما۔

لفظ ''ہم'' میں سارے مسلمان داخل ہوگئے۔

یہ ہر مسلمان کے لیے دعا ہے

اسی طرح کہنے والے نے یہ نیت کرلی کہ یہ نماز میں ''التحیات'' تو پڑھتا ہے اور ''التحیات'' میں یہ الفاظ ہیں

''السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین''

ان الفاظ میں وہ تمام مسلمانوں کے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہے، اسی طرح نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت کہتا ہے:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ''

''السلام علیکم'' کے معنی یہ ہیں کہ ''اے اللہ! ان پر سلامتی نازل

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۰۱)۔

فرما"۔ اور فقہاءِ کرام نے فرمایا ہے کہ جب آدمی نماز کے آخر میں دائیں طرف سلام پھیرے تو سلام پھیرتے وقت یہ نیت کرلے کہ دائیں طرف جتنے ملائکہ، جنات اور مسلمان ہیں ان سب کے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہوں، اور جب بائیں طرف سلام پھیرے تو یہ نیت کرلے کہ بائیں طرف جتنے ملائکہ، جنات اور مسلمان ہیں، ان سب کے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔

لہٰذا اس نیت کے ساتھ اگر دوسرا مسلمان یہ کہہ دے کہ فلاں تو تمہارے حق میں دعا کرتا ہے، تو سامنے والے کے دل میں اس کی قدر پیدا ہوگی کہ میں تو اس کو برا سمجھتا تھا لیکن وہ تو میرے حق میں دعا کرتا ہے، لہٰذا مجھے اس سے دشمنی نہیں رکھنی چاہیے۔

بلکہ بعض فقہاء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے صریح جھوٹ بھی بولنا پڑے تو صریح جھوٹ بولنا بھی جائز ہے[1]، اگر اس کے نتیجے میں دو دل مل رہے ہوں۔ بہر حال! آپس کے اختلافات کی خرابی اتنی زیادہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ ایسے حالات میں خلاف واقعہ بات کہہ دینا بھی جائز ہے جس سے دوسرے کے دل میں قدر ومحبت اور منزلت پیدا ہوجائے۔ لہٰذا جہاں کہیں موقع ملے تو آپس میں صلح کرانے کے عظیم درجے اور عظیم ثواب کو حاصل کرلو۔ کہاں تم ساری رات تہجد پڑھوگے، کہاں تم ساری عمر روزے رکھوگے، کہاں تم سارا مال صدقہ کروگے، لیکن اگر تم نے مسلمانوں کے درمیان اتفاق اور اتحاد اور محبت پیدا کرنے کی

---

(۱) مسند احمد ۲۴۵/۴۵ (۲۷۲۷۵)۔ وفی صحیح مسلم ۲۰۱۱/۴ (۲۶۰۵) قال ابن شهاب: ولم أسمع يرخص في شيء مما يقول الناس كذب إلا في ثلاث: الحرب، والإصلاح بين الناس، وحديث الرجل امرأته وحديث المرأة زوجها.

کوشش کرلی تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بھی آگے کا درجہ عطا فرمادیں گے۔

بعض لوگ بالکل اس کے الٹ ہوتے ہیں، ان کو دو ملے ہوئے دل کبھی اچھے نہیں لگتے، جہاں کہیں دیکھا کہ فلاں دو شخصوں میں محبت ہے تو وہ ان کے درمیان ایسا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں جس سے دونوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ یاد رکھیے! اس سے زیادہ بدترین گناہ کوئی اور نہیں ہے۔

ابلیس کا صحیح جانشین کون؟

ابلیس نے اپنے چھوٹے شیاطین کی ایک فوج بنا رکھی ہے جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ لوگوں کو صحیح راستے سے بہکانے کا کام کرتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ ابلیس بعض اوقات سمندر پر اپنا دربار منعقد کرتا ہے اور ان سے رپورٹ طلب کرتا ہے اور اس کی تمام فوج اس کو اپنی اپنی کارگزاری سناتی ہے۔ چنانچہ ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ ایک شخص نماز پڑھنے جارہا تھا، میں نے اس کے دل میں ایسی بات ڈالی کہ وہ نماز کے لیے نہ جاسکا اور اس کی نماز قضا ہوگئی، میں نے اس کو نماز سے محروم کردیا، ابلیس اس کو شاباش دیتا ہے کہ تم نے اچھا کام کیا۔ دوسرا شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص روزہ رکھنے کا ارادہ کررہا تھا میں نے اس کے دل کو ایسا پلٹا کہ وہ روزے سے باز آگیا، ابلیس اس کو شاباش دیتا ہے تم نے اچھا کام کیا۔ اس کے بعد تیسرا شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص صدقہ خیرات کرنا چاہتا تھا، میں نے اس کے حالات ایسے پیدا کردیے کہ وہ صدقہ کرنے سے رک گیا، ابلیس اس کو بھی شاباش دیتا ہے کہ تم نے بھی اچھا کام کیا۔ آخر میں ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ دو میاں بیوی بڑی محبت سے زندگی گزار رہے تھے، میں نے جاکر ان کے درمیان ایسا مسئلہ کھڑا کردیا کہ دونوں

کے درمیان ناچاقی ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہ رہے، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان جدائی ہوگئی۔ ابلیس یہ سن کر اپنے تخت سے کھڑا ہوجاتا ہے اور اس کو گلے سے لگالیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو میرا صحیح جانشین ہے، تونے صحیح کام کیا اور میرے مطلب کے مطابق کام کیا(۱)۔

نفرتیں ڈالنے والا بڑا مجرم ہے

بہر حال! شیطان کا سب سے بڑا حربہ اور سب سے کامیاب ترین منصوبہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں نفرتیں پیدا کرے۔ لہٰذا جن لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اچھے خاصے رہتے بستے لوگوں کے درمیان اور محبت کرنے والے دوستوں کے درمیان منافرت پیدا کردیتے ہیں اور ادھر کی بات ادھر لگادیتے ہیں، لگاوا جوئی شروع کردیتے ہیں، اس حدیث کی رو سے وہ بہت خطرناک جرم کا ارتکاب کررہے ہیں، نماز روزے سے روک دینا بھی شیطانی عمل ہے لیکن یہ ایسا شیطانی عمل ہے کہ ابلیس اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ لہٰذا اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔

جھگڑوں سے کیسے بچیں؟

اب سوال یہ ہے کہ ان جھگڑوں سے کیسے بچیں اور آپس میں محبتیں کیسے پیدا ہوں، اور یہ آپس کے اختلافات کیسے ختم ہوں؟ اس کے لیے حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ نے امت کو بڑی باریک بینی سے ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ ان ہدایات میں سے ایک ایک ہدایت آپس میں محبت کو پیدا کرنے والی ہے اور

---

(۱) صحیح مسلم ٤/٢١٦٧(٢٨١٣)۔

آپس کے جھگڑوں کو ختم کرنے والی ہے، لیکن ان ہدایات کے بیان سے پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیں:

جھگڑے ختم کرنے کی ایک شرط

اصولی بات یہ ہے کہ آپس کے جھگڑے ختم کرنے اور آپس میں محبت پیدا کرنے اور آپس میں اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کی ایک خاص شرط ہے، جب تک وہ شرط نہیں پائی جائے گی، اس وقت تک جھگڑے دور نہیں ہوں گے۔ آج ہر طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد ہونا چاہیے، جھگڑے ختم ہونے چاہئیں، اور حتیٰ کہ جو لوگ جھگڑوں کا بیج بونے والے ہیں وہ بھی اتفاق اور اتحاد کا نعرہ لگاتے ہیں، لیکن پھر بھی اتحاد اور اتفاق قائم نہیں ہوتا، کیوں اتحاد قائم نہیں ہوتا؟ اس کے بارے میں ایک مرد درویش کی بات سن لیجیے، جس نے اس بیماری کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ کر اس بیماری کی تشخیص کی ہے اور مرض کی صحیح تشخیص ہمیشہ اللہ والے ہی کرتے ہیں، کیوں کہ ہر بیماری کی صحیح تشخیص اور اس کا صحیح علاج اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے قلوب پر ہی وارد فرماتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے سید الطائفہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ، جو ہمارے شیخ کے شیخ ہیں۔ اگر ان کے کوائف پوچھو تو وہ کسی مدرسے کے فارغ التحصیل بھی نہیں، باقاعدہ باضابطہ سند یافتہ عالم بھی نہیں، صرف کافیہ اور قدوری تک کتابیں پڑھے ہوئے تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر معرفت کے دروازے کھولتے ہیں تو ہزار علم وتحقیق کے شناور اس

کے آگے قربان ہوجاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم کے پہاڑ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم کے پہاڑ بھی اپنی تربیت کے لیے، اپنے تزکیے کے لیے اور اپنے اخلاق کو درست کرانے کے لیے ان کے پاس جاکر زانوئے تلمذ طے کر رہے ہیں۔

اتحاد کے لیے دو شرطیں، تواضع اور ایثار

انہوں نے یہ عقدہ کھولا جب سب لوگ اتحاد اور اتفاق کی کوشش کر رہے ہیں، اس کے باوجود اتحاد کیوں قائم نہیں ہورہا ہے؟ اس کے جواب میں جو حکیمانہ بات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے، میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اگر اس بات کو ہم لوگ پلے باندھ لیں ہمارے معاشرے کے سارے جھگڑے ختم ہوجائیں۔ فرمایا کہ:

> ''اتحاد و اتفاق کا بنیادی راستہ یہ ہے کہ اپنے اندر دو چیزیں پیدا کرو، اگر یہ دو چیزیں پیدا ہوگئیں تو اتحاد قائم ہوجائے گا اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہوئی تو کبھی اتحاد قائم نہیں ہوگا، وہ دو چیزیں یہ ہیں: ایک تواضع، دوسرے ایثار۔''

''تواضع'' کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو یوں سمجھے کہ میری کوئی حقیقت نہیں، میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور بندہ ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہوں، اور اپنی ذات میں میرے اندر کوئی فضیلت نہیں، میرا کوئی حق نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص میری حق تلفی کرتا ہے تو وہ کون سا برا کام کرتا ہے، میں تو حق تلفی کا ہی مستحق ہوں۔

اتحاد میں رکاوٹ "تکبّر"

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اتحاد اس لیے قائم نہیں ہوتا کہ ہر آدمی کے دل میں تکبّر ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا ہوں، میرے فلاں حقوق ہیں، فلاں نے میری شان کے خلاف بات کی ہے، فلاں نے میرے درجے کے خلاف کام کیا ہے، میری حق تلفی کی ہے، میرا حق یہ تھا کہ وہ میری تعظیم کرتا، لیکن اس نے میری تعظیم نہیں کی، میں اس کے گھر گیا، اس نے میری خاطر تواضع نہیں کی، اس تکبّر کا نتیجہ یہ ہوا کہ جھگڑا کھڑا ہوگیا۔

تکبّر کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور بڑا سمجھنے کے نتیجے میں اپنے لیے کچھ حقوق گھڑلیے اور یہ سوچا کہ میرے درجے کا تقاضا تو یہ تھا کہ فلاں شخص میرے ساتھ ایسا سلوک کرتا، جب دوسرے نے ایسا سلوک کیا تو اب دل میں شکایت ہوگئی، اوراس کے نتیجے میں گرہ بیٹھ گئی اور اس کے بعد نفرت پیدا ہوگئی اور اس کے بعد اس کے ساتھ معاملات خراب کرنا شروع کردیے۔ لہٰذا جھگڑے کی بنیاد "تکبّر" ہے۔

راحت والی زندگی کے لیے بہترین نسخہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں لذیذ اور راحت والی زندگی کا ایک نسخہ بتاتا ہوں، اگر تم اس نسخہ پر عمل کرلوگے تو پھر ان شاء اللہ کسی کی طرف سے دل میں کوئی شکوہ شکایت اور گلہ پیدا نہیں ہوگا۔ وہ یہ کہ دل میں یہ سوچ لو کہ یہ دنیا خراب چیز ہے اور اس کی اصل وضع ہی تکلیف پہنچانے کے لیے ہے، لہٰذا اگر مجھے کسی انسان یا جانور سے تکلیف

پہنچتی ہے تو یہ تکلیف پہنچنا دنیا کی تخلیق فطرت کے عین مطابق ہے، اور اگر دنیا میں کسی کی طرف سے تمہیں اچھائی پہنچے تو اس پر تمہیں تعجب کرنا چاہیے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

اچھے توقعات وابستہ نہ کرو

لہٰذا دنیا میں کسی بھی اپنے ملنے جلنے والے سے، چاہے وہ دوست ہو یا رشتے دار ہو، یا قریبی عزیز ہو، کسی سے اچھائی کی توقع قائم نہ کرو کہ یہ مجھے کچھ دے دے گا یا یہ مجھے کچھ نفع پہنچادے گا یا یہ میری عزت کرے گا یا یہ میری مدد کرے گا، کسی بھی مخلوق سے کسی بھی قسم کی توقع قائم نہ کرو اور جب کسی مخلوق سے نفع کی کوئی توقع نہیں ہوگی، پھر اگر کسی مخلوق نے کوئی فائدہ پہنچادیا اور تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرلیا تو اس سے تمہیں خوشی ہوگی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ نے اپنے فضل سے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی جس کے نتیجے میں اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

دشمن سے شکایت نہیں ہوتی

اور اگر کسی مخلوق نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی، تو اس سے تکلیف نہیں ہوگی، کیونکہ پہلے ہی سے اس سے کوئی اچھی توقع نہیں تھی۔ دیکھئے! اگر کوئی دشمن تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس سے تمہیں کوئی شکایت ہوتی ہے؟ نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ تو دشمن ہی ہے، اس کا کام ہی تکلیف پہنچانا ہے۔ اس لیے اس کے تکلیف پہنچانے سے زیادہ صدمہ اور رنجش نہیں ہوتی، شکوہ اور گلہ نہیں ہوتا، شکوہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب کسی سے اچھائی کی توقع تھی، لیکن اس نے برائی کرلی۔

اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق سے توقع مٹادو۔

صرف ایک ذات سے توقع رکھو

توقع تو صرف ایک ذات سے قائم کرنی چاہیے، اسی سے مانگو، اسی سے توقع رکھو، اسی سے امید رکھو، باقی ساری دنیا سے امیدیں قطع کردو، صرف اللہ جل جلالہ سے امیدیں وابستہ کرلو۔ چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِيْ قَلْبِيْ رَجَاكَ، وَاقْطَعْ رَجَائِيْ عَنْ مَنْ سِوَاكَ(۱)

اے اللہ! میرے دل میں اپنی امید ڈال دیجیے اور میری امیدیں اپنے سوا ہر ایک مخلوق سے ختم کر دیجیے۔

اتحاد کی پہلی بنیاد ''تواضع''

اور جب انسان کے اندر تواضع ہوگی تو وہ اپنا حق دوسروں پر نہیں سمجھے گا کہ میرا کوئی حق دوسرے کے ذمے ہے، بلکہ وہ تو یہ سمجھے گا کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، میرا کوئی مقام اور کوئی درجہ نہیں، اللہ تعالیٰ جو معاملہ میرے ساتھ فرمائیں گے میں اس پر راضی ہوں۔ جب دل میں یہ تواضع پیدا ہوگی تو دوسرے سے توقع بھی قائم نہیں ہوگی۔ جب توقع نہیں ہوگی تو پھر دوسرے سے شکوہ شکایت بھی نہیں ہوگی، اور جب شکوہ نہیں ہوگا تو جھگڑا بھی پیدا نہیں ہوگا۔ لہٰذا اتفاق اور اتحاد کی پہلی بنیاد ''تواضع'' ہے۔

---

(۱) تاریخ دمشق ۱۶۷/۱۳۔

اتحاد کی دوسری بنیاد ''ایثار''

اتفاق اور اتحاد کی دوسری بنیاد ''ایثار'' ہے۔ یعنی مخلوق خدا کے ساتھ ایثار کا رویہ اختیار کرو۔ ''ایثار'' کے معنی یہ ہیں کہ دل میں یہ جذبہ ہو کہ میں اپنی راحت کی قربانی دیدوں اور اپنے مسلمان بھائی کو راحت پہنچادوں۔ میں خود تکلیف اٹھالوں، لیکن اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف سے بچالوں، خود نقصان اٹھالوں، لیکن اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچادوں۔ یہ ایثار کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرلو۔

اس نفع و ضرر کی دنیا میں
یہ ہم نے لیا ہے درسِ جنوں
اپنا تو زیاں تسلیم مگر
اوروں کا زیاں منظور نہیں

اپنا نقصان کرلینا منظور ہے، لیکن اوروں کا نقصان منظور نہیں۔ یہی وہ سبق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔

صحابہ کرام اور ایثار

اور قرآن کریم نے انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [1]

---

(۱) سورۃ الحشر آیت (۹)۔

یعنی یہ انصاری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے ہیں کہ چاہے سخت تنگدستی اور مفلسی کی حالت ہو، لیکن اس حالت میں بھی اپنے اوپر دوسروں کا ایثار کرتے ہیں۔ کیسے کرتے ہیں؟ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ مسافر آ گئے جو تنگدست تھے۔ ایسے موقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ کچھ مہمان باہر سے آ گئے ہیں جو تنگدست ہیں، لہٰذا جن کو استطاعت ہو وہ اپنے ساتھ مہمان کو لے جائیں اور ان کے کھانے کا بندوبست کر دیں۔

ایک صحابی کا ایثار

چنانچہ اس موقع پر یہ ارشاد سن کر ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ایک مہمان کو اپنے گھر لے گئے، گھر جا کر بیوی سے پوچھا کہ کھانا ہے، مہمان آئے ہیں۔ بیوی نے جواب دیا کہ اتنا کھانا نہیں ہے کہ مہمان کو بھی کھلا سکیں، یا تو مہمان کھائیں گے یا ہم کھائیں گے، سب نہیں کھا سکتے۔ ان صحابی نے فرمایا کہ کھانا مہمان کے سامنے رکھ دو اور چراغ بجھا دو، چنانچہ بیوی نے کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا اور چراغ بجھا دیا، ان صحابی نے مہمان سے کہا کہ کھانا کھایئے، مہمان نے کھانا کھانا شروع کیا اور یہ صحابی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، لیکن کھانا نہیں کھایا بلکہ اپنا خالی ہاتھ کھانے تک لے جاتے اور منہ تک لاتے، تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ کھانا کھا رہے ہیں، حقیقت میں وہ خالی ہاتھ چلا رہے تھے۔ چنانچہ میاں بیوی اور بچوں نے رات بھوک میں گزاری اور مہمان کو کھانا کھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ انداز اتنا پسند آیا کہ قرآنِ کریم میں اس کا بیان فرما دیا کہ

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود ان پر تنگدستی کی حالت ہو۔ خود بھوکا رہنا گوارہ کرلیا، لیکن دوسرے کو راحت پہنچادی اور اس کو کھانا کھلادیا۔ یہ ہے ایثار۔(۱)

ایثار کا مطلب

لہٰذا ایثار یہ ہے کہ اپنے اوپر تھوڑی سی تکلیف برداشت کرلے، لیکن اپنے مسلمان بھائی کا دل خوش کردے، یاد رکھئے! جس کو اللہ تعالیٰ یہ صفت عطا فرماتے ہیں، اس کو ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری حلاوتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ جب انسان اپنی ذات پر تنگی برداشت کرکے دوسرے مسلمان بھائی کو خوش کرتا ہے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ لاتا ہے تو اس کی جو لذت ہے اس کے آگے دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ یہ دنیا معلوم نہیں کتنے دن کی ہے پتہ نہیں کب بلاوا آجائے؟ بیٹھے بیٹھے آدمی رخصت ہوجاتا ہے، اس لیے ایثار پیدا کرو، جب ایثار پیدا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دلوں میں محبتیں پیدا فرمادیتے ہیں، اور ایثار کرنے والے کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں۔

ایک شخص کی مغفرت کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ پچھلی امتوں میں ایک شخص تھا، جب اس کا انتقال ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوا تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی

---

(۱) صحیح البخاری ۳٤/٥(۳۷۹۸) و ١٤٨/٦(٤٨٨٩)

بڑی عبادت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں سے پوچھا کہ اس کے اعمال نامے میں کوئی نیکی ہے یا نہیں؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ اس کے اعمال نامے میں کوئی بڑی نیکی تو نہیں ہے، البتہ ایک نیکی اس کی یہ ہے کہ جب کسی سے کوئی مال خریدتا تو مال بیچنے والے سے جھگڑتا نہیں تھا، بس جو پیسے اس نے بتادیے، اس سے تھوڑا کم کرایا اور مال خریدلیا۔

سَهْلاً اِذَا بَاعَ، سَهْلاً اِذَا اشْتَرَی

اور جب مال بیچنے جاتا تو اس میں بھی نرمی کرتا اس پر ضد نہیں کرتا تھا کہ بس میں اتنے پیسے لوں گا، بلکہ جب یہ دیکھا کہ خریدنے والا غریب ہے تو پیسے کم کردیے۔ اسی طرح اگر اس کا قرضہ دوسرے پر ہوتا اور وہ دیکھتا کہ یہ اپنا قرضہ ادا نہیں کر پا رہا ہے تو اس کو معاف کردیتا تھا۔

بس اس کی صرف یہ نیکی نامہ اعمال میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ میرے بندوں کو قرض سے معاف کردیتا تھا تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو معاف کردوں، لہٰذا میں نے اس کو معاف کردیا۔ اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی(۱)۔ یہ کیا چیز تھی؟ یہ ''ایثار'' تھا۔

خودغرضی ختم کردو

بہرحال! حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے اندر سے تکبر کو نکالو اور ایثار پیدا کرلو، تمام جھگڑے ختم ہوجائیں گے۔ اور

---

(۱) مسند احمد ۲۳/ ۲۵ (۱٤٦٥٨) وسنن الترمذی ۲/ ۵۸٦ (۱۳۲۰) وقال هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه۔

''خودغرضی'' یہ ایثار کی ضد ہے، خودغرضی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنی کائنات میں الجھا ہوا ہے کہ کس طرح مجھے پیسے زیادہ مل جائیں، کس طرح مجھے عزت زیادہ مل جائے، کس طرح مجھے شہرت مل جائے، کس طرح لوگوں کی نگاہ میں میرا درجہ بلند ہوجائے، دن رات اسی فکر میں غلطاں پیچاں ہے۔ یہ ہے ''خودغرضی'' ایثار اس کی ضد ہے۔

''تواضع'' کی ضد ہے ''تکبّر'' لہٰذا اگر انسان تکبّر اور خودغرضی چھوڑ دے اور تواضع اور ایثار اختیار کرلے تو پھر اتحاد اور محبت قائم ہوجائے گی، ان شاء اللہ، لہٰذا ہر مسلمان اس کو پلے باندھ لے۔ بہرحال! ایک عمل تو یہ ہوگیا جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔

پسندیدگی کا معیار ایک ہو

دوسری بات جو حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جو درحقیقت تمام اخلاق فاضلہ کی بنیاد ہے، اگر یہ چیز ہمارے اندر پیدا ہوجائے تو سارے جھگڑے ہمارے اندر سے ختم ہوجائیں۔ وہ بات یہ ارشاد فرمائی:

أَحِبَّ لِأَخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ، وَاكْرَهْ لِأَخِيكَ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ[1]

یعنی اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، اور اپنے بھائی کے لیے وہی بات ناپسند کرو

(۱) ملاحظہ ہو مسند احمد ۲۱۴/۲۷ (۱۶۶۵۳) و ۲۱۶/۲۷ (۱۶۶۵۵) والمعجم الکبیر للطبرانی ۳۱۸/۲ (۲۳۳۷) و ۱۹۱/۲۰ (۴۲۵)۔ وقال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ۳۳۹/۸ (۱۳۶۶۷-۱۳۶۶۸): ورجاله ثقات

جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔

لہٰذا جب بھی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آئے تو خود کو اس کی جگہ پر رکھ کر سوچ لو کہ اگر میں اس کی جگہ پر ہوتا اور یہ میری جگہ پر ہوتا اور میرے ساتھ یہ معاملہ کرتا تو میں کس بات کو پسند کرتا اور کس بات کو ناپسند کرتا۔ لہٰذا جس بات کو میں پسند کرتا مجھے اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنا چاہیے، اور جو چیز میں ناپسند کرتا مجھے بھی اس کے ساتھ وہ چیز نہیں کرنی چاہیے۔ بہترین پیمانہ ہے کہ اس کے ذریعہ آپ دوسروں کے ساتھ کیے گئے ہر معاملے کو جانچ سکتے ہیں۔

دوھرے پیمانے ختم کردو

ہمارے معاشرے کی بہت بڑی بیماری یہ ہے کہ ہم نے دوھرے پیمانے بنا رکھے ہیں، اپنے لیے معیار کچھ اور ہے اور دوسرے کے لیے معیار کچھ اور ہے۔ اپنے لیے جو بات پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ آپ ذرا غور کرکے دیکھیں کہ اگر ہر شخص حضورِ اقدس ﷺ کی اس نصیحت پر عمل کرنا شروع کردے کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو پھر کوئی جھگڑا باقی نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ اس صورت میں ہر شخص ایسے عمل سے پرہیز کرے گا جو دوسروں کو تکلیف دینے والا ہوگا۔

بہرحال! اپنے درمیان اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کی یہ چند اصولی باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی سمجھ بھی عطا فرمائے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

دوسرا حصہ

(اصلاحی خطبات ۱۱/۲۰۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

(دوسرا سبب)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ اتوار کو خاندانی اختلافات اور ان کو ختم کرنے کے بارے میں کچھ عرض کیا تھا۔ ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختلافات اور جھگڑوں کو ختم کرنے کا ایک اور طریقہ بیان فرمایا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال: «المسلِمُ إِذَا

كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ»[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گیا، لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی، مثلاً وہ کسی مسجد میں یا مدرسہ میں یا عبادت گاہ میں بیٹھ گیا تا کہ لوگوں سے سابقہ پیش نہ آئے، اور یہ سوچا کہ میں تنہائی میں عبادت کرتا رہوں گا۔ دوسرا مسلمان وہ ہے جس نے تنہائی اختیار نہیں کی، بلکہ لوگوں سے ملا جلا رہا، لوگوں سے تعلقات بھی ہیں، رشتہ داریاں اور دوستیاں بھی ہیں، اور ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا بھی ہے، اور ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات بھی کرتا ہے، اور پھر ساتھ رہنے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے کے نتیجے میں لوگوں سے تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں اور وہ ان تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ دوسرا مسلمان جو لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے، یہ مسلمان بدرجہا بہتر ہے اس مسلمان سے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کو تکالیف پر صبر کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

---

(۱) سنن الترمذی ۲۷۸/۴ (۲۵۰۷) وسنن ابن ماجه ۴۹۹/۵ (۴۰۳۲) وذكره الحافظ ابن حجر فی "فتح الباری" ۵۱۲/۱۰ وقال اخرجه ابن ماجه بسند حسن۔ طبع دار المعرفة۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہ آپ حضرات کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے دین نے عیسائی مذہب کی طرح رہبانیت کی تعلیم نہیں دی، عیسائیوں کے یہاں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک انسان اپنے سارے دنیاوی کاروبار کو نہ چھوڑے اور اپنے تمام تعلقات کو خیرباد نہ کہے اور رہبانیت کی زندگی نہ گزارے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہو اور پھر لوگوں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرو۔

اگر آپ غور کریں تو یہ عجیب و غریب تعلیم ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ ملے جلے رہنے کو اور ان سے پہنچنے والی تکلیف کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ دونوں کام ایک دوسرے کے لیے لازم اور ملزوم ہیں، یعنی جب تم لوگوں کے ساتھ ملو جلو گے اور ان کے ساتھ رہو گے تو ان سے تمہیں ضرور تکلیف پہنچے گی، اور جب تمہارا کسی بھی دوسرے انسان سے واسطہ پیش آئے گا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے تمہیں کبھی بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے، لازماً تکلیف پہنچے گی، چاہے وہ تمہارا کتنا ہی قریبی عزیز ہو اور چاہے وہ کتنا ہی قریبی دوست ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تکلیف کیوں پہنچے گی؟ اس کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ انسان کے چہرے میں

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا

فرمایا، اس وقت سے لے کر آج تک اربوں کھربوں انسانوں کو پیدا فرمایا، آگے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے، اور ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک چہرہ عطا فرمایا ہے جو بالشت بھر کا ہے، اس میں آنکھ بھی ہے، ناک بھی ہے، منہ بھی ہے، دانت بھی ہیں اور کان بھی ہیں، رخسار بھی ہیں اور ٹھوڑی بھی ہے، ہر انسان کے چہرے میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن اتنے اربوں، کھربوں، پدموں انسانوں میں کسی دو انسانوں کا چہرہ سوفیصد ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ دیکھیے کہ ہر انسان کے چہرے کی لمبائی ایک بالشت ہے اور یہ بھی نہیں ہے کہ کسی انسان کی ناک ہو کسی کی ناک نہ ہو، کسی کے کان ہوں کسی کے نہ ہوں، کسی کی آنکھیں ہوں کسی کی نہ ہوں، بلکہ تمام انسانوں کے چہرے میں یہ سب چیزیں بھی ہوتی ہیں لیکن کسی دو انسانوں کا چہرہ ایک جیسا نہیں ملے گا، بلکہ ہر انسان کا چہرہ دوسرے سے مختلف ہوگا۔ اور یہ اختلاف صرف ان انسانوں کے چہروں میں نہیں ہے جو اب تک پیدا ہو چکے ہیں بلکہ جو نئے انسان پیدا ہو رہے ہیں ان کے اندر بھی یہ اختلاف موجود ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اب جو نیا انسان پیدا ہوگا وہ کسی سابقہ انسان کی کاپی اور نقل ہوگا، ایسا نہیں ہے بلکہ نیا پیدا ہونے والا انسان اپنا چہرہ خود لے کر آئے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ایسا ممتاز کر دیا کہ چہرے کے نقوش دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ یہ فلاں انسان ہے اور یہ فلاں انسان ہے۔

رنگوں کے اختلاف میں قدرت کا نظارہ

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مختلف نسلوں کے انسانوں کے نقوش میں ایک چیز ''مابہ الاشتراک'' ہے اور ایک ''مابہ الامتیاز'' ہے، یعنی ایک

چیز ایسی ہے جو سب میں مشترک ہے، مثلاً افریقی نسل کے جو انسان ہوں گے وہ دور سے دیکھ کر پہچان لیے جائیں گے کہ یہ افریقی نسل کا ہے۔ ''یورپ'' والا الگ پہچان لیا جائے گا کہ یہ یورپ کا ہے، باوجودیکہ ان کے درمیان بھی آپس میں فرق ہے، کوئی دو افراد ایک جیسے نہیں ہیں۔ لہٰذا ''مابہ الاشتراک'' بھی موجود اور ''مابہ الامتیاز'' بھی موجود۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ ہے، انسان کہاں اس قدرت کا احاطہ کرسکتا ہے۔

انگلیوں کے پوروں میں اللہ کی قدرت

اور چیزوں کو چھوڑیے! انگلیوں کے پوروں کو لے لیں، ہر انسان کے ہاتھ کی انگلیوں کے پورے دوسرے انسان کے پورے سے مختلف ہیں، چنانچہ کاغذات پر بے شمار ضروریات کے لیے دستخط لینے کے ساتھ ساتھ انگوٹھا بھی لگوایا جاتا ہے، اس لیے کہ انگوٹھے کے پورے میں جو چھوٹی چھوٹی لکیریں ہیں، وہ کسی ایک انسان کی لکیریں دوسرے انسان کی لکیروں سے نہیں ملتیں، ہر ایک کی لکیریں علیحدہ ہیں۔ اگر ویسے دو انسانوں کے انگوٹھے ملا کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ کوئی فرق نہیں ہے، لیکن یہ بات عالمی طور پر مسلم اور طے شدہ ہے کہ دو انسانوں کے انگوٹھوں کی لکیریں ایک جیسی نہیں ہیں، لہٰذا جب کسی انسان نے کسی کاغذ پر انگوٹھا لگا دیا تو یہ تعین ہوگیا کہ یہ فلاں انسان کے انگوٹھے کے نشان ہیں، کیونکہ دوسرے انسان کے انگوٹھے کے نشان اس سے مختلف ہوں گے۔

انگوٹھے کی لکیروں کے ماہرین کا دعویٰ

اب تو ایسے ماہرین بھی پیدا ہوگئے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے

سامنے کسی انسان کے انگوٹھے کے نشان رکھ دیے جائیں، ہم اس کے نشانات کو بڑا کر کے دیکھیں گے، اور اس کے ذریعے ہم اس انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک سارے خدوخال کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ لکیریں یہ بتادیتی ہیں کہ اس انسان کی آنکھ کیسی ہوگی، اس کی ناک کیسی ہوگی، اس کے دانت کیسے ہوں گے، اور ہاتھ کیسے ہوں گے؟

ہم انگوٹھے کے پورے کو دوبارہ بنانے پر قادر ہیں

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ قرآنِ کریم کی سورۂ قیامہ میں ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ۝٣ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ۝٤ (1)

کیا یہ (کافر) انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کرسکیں گے۔ یہ کافر جو آخرت کے منکر ہیں، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے اور ہماری ہڈیاں تک گل جائیں گی، پھر کس طرح سے ہمیں دوبارہ زندہ کیا جاسکے گا؟ اور کون زندہ کرے گا؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں دوبارہ جمع نہیں کرسکیں گے؟ کیوں نہیں! ہم تو اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو بھی ویسا ہی دوبارہ بنادیں، اس کائنات کا بڑے سے بڑا سائنٹسٹ بھی یہ نہیں کرسکتا کہ ویسا ہی انگوٹھا بنادے، لیکن ہم اس پر قادر ہیں۔

(1) سورۃ القیامۃ آیت (۳-۴)۔

آیت سن کر مسلمان ہونا

اللہ تعالیٰ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کا چہرہ دوبارہ بنادیں، اس کے ہاتھ دوبارہ بنادیں، اس کے پاؤں دوبارہ بنادیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر پوروں کا ذکر فرمایا کہ پورے کو دوبارہ بنانے پر قادر ہیں۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک غیر مسلم سائنٹسٹ اس آیت کو پڑھ کر مسلمان ہوگیا، اور اس نے یہ کہا کہ یہ بات سوائے خالق کائنات کے دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ ہم اس پورے کو دوبارہ بناسکتے ہیں، یہ بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جس نے اس کائنات کو بنایا ہو، جس نے انسان کو پیدا کیا ہو، جس نے انسان کے ایک ایک عضو کو بنایا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ

بہرحال! کوئی انسان اپنی ظاہری شکل وصورت میں دوسرے انسان جیسا نہیں ہے، بلکہ اگر دو انسان ایک جیسے ہوجائیں تو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ دیکھو یہ دو انسان ہم شکل ہیں، الگ الگ ہونے پر کوئی تعجب نہیں ہوتا، اس لیے کہ ہر انسان دوسرے سے الگ ہے۔ حالانکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ الگ الگ کیسے ہیں، اگر سارے انسان ایک دوسرے کے ہم شکل ہوتے تو تعجب کی بات نہ ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو دیکھئے کہ اس نے اربوں کھربوں انسان پیدا فرمادیے، مگر ہر ایک کی صورت دوسرے سے مختلف ہے، مرد کی صورت الگ ہے، عورت کی صورت الگ ہے، ہر ایک صنف میں ایک دوسرے سے امتیاز بھی موجود ہے، ایک دوسرے سے اشتراک بھی موجود ہے۔

دو انسانوں کے مزاج میں اختلاف

لہٰذا جب دو انسانوں کے چہرے ایک جیسے نہیں ہوسکتے، تو پھر دو انسانوں کی طبیعتیں کیسے ایک جیسی ہوسکتی ہیں، جب ظاہر ایک جیسا نہیں تو پھر ان کی طبیعتوں میں بھی فرق ہوگا، کسی کی طبیعت کیسی ہے، کسی کی کیسی ہے۔ کسی کا مزاج کیسا ہے، کسی کا مزاج کیسا ہے۔ کسی کی پسند کچھ ہے، کسی کی کچھ ہے۔ ہر انسان کی پسند مختلف، ہر انسان کا مزاج مختلف، ہر انسان کی طبیعت مختلف۔ لہٰذا طبیعتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے کبھی یہ نہیں ہوسکتا کہ دو آدمی ایک ساتھ زندگی گزار رہے ہوں اور ایک ساتھ رہتے ہوں، اور کبھی بھی ان میں سے ایک کو دوسرے سے تکلیف نہ پہنچے، ایسا ہونا ممکن ہی نہیں، طبیعت مختلف ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے ضرور تکلیف پہنچے گی، کبھی جسمانی تکلیف پہنچے گی، کبھی روحانی تکلیف پہنچے گی، کبھی نفسیاتی تکلیف پہنچے گی، کبھی دوسرے کی طرف سے خلاف طبع بات ہوگی جو دوسرے کو بری لگے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاج مختلف تھے

دیکھیے! اس کائنات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ افضل مخلوق اس زمین و آسمان کی نگاہوں نے نہیں دیکھی۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے زیادہ افضل، ان سے زیادہ متقی، ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، ان سے زیادہ ایثار کرنے والے، ان سے زیادہ ایک دوسرے پر جان نثار کرنے والی کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی اور نہ آئندہ پیدا ہوگی، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبیعتیں بھی مختلف تھیں، ان کے آپس کے مزاج میں بھی فرق تھا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان نا اتفاقی

روئے زمین پر کوئی بیوی اپنے شوہر کے لیے اتنی وفادار اور اتنا خیال رکھنے والی نہیں ہوسکتی جتنی کہ امہات المؤمنین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھنے والی تھیں، لیکن ان کو بھی طبیعت کے خلاف باتیں پیش آجاتی تھیں، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض اوقات طبیعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان سے کچھ گرانی اور ناراضگی ہوجاتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ اس گرانی کی وجہ سے ایک مہینہ ایسا گزرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قسم کھالی تھی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج مطہرات کے پاس نہیں جاؤں گا[1]۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراضگی

اور پھر یہ نہیں کہ ازواج مطہرات کی طرف سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی ہوتی تھی بلکہ بعض اوقات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گرانی ہوجاتی تھی، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! مجھے پتہ چل جاتا ہے جب مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیسے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت یہ کہتی ہو ''وَرَبِّ مُحَمَّدٍ'' یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی قسم اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت یہ کہتی ہو ''وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ''

(۱) صحیح البخاری ۲۷/۳ (۱۹۱۱) و صحیح مسلم ۷٦٤/۲ (۱۰۸۵)۔

ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار کی قسم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"مَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ"(۱)

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ایسے موقع پر میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی چھوڑتی ہوں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل سے جدا نہیں ہوتی۔

اب دیکھیے! سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شفیق و مہربان کوئی اور ہوسکتا ہے؟ خاص طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جو عالم تھا وہ کوئی مخفی چیز نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ گرانی پیدا ہوجاتی تھی، اور اس گرانی اور ناراضگی کا احساس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوجاتا تھا۔

میاں بیوی کے تعلق کی حیثیت سے ناراضگی

البتہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تکلیف پہنچانا معاذ اللہ کفر ہے، تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی تو یہ کتنی بری بات ہوئی۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیثیتیں الگ الگ رکھی ہیں، لہٰذا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گرانی ہوتی تھی وہ ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے ہوتی تھی، جس طرح بیوی کو شوہر پر ناز ہوتا ہے، ایسے ہی شوہر کو بھی بیوی پر ناز ہوتا ہے، اس ناز کے عالم میں اس قسم کی ناراضگی بھی ہوجایا کرتی تھی۔ اس کا منصب رسالت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

---

(۱) صحیح البخاری ۲۷/۳ (۱۹۱۱) و صحیح مسلم ۷٦٤/۲ (۱۰۸۵)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاجوں میں اختلاف

بہرحال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے درمیان بھی خلاف طبع امور پیدا ہوجاتے تھے اور آگے بڑھیے۔ حضرت صدیقِ اکبر اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما جن کو ''شیخین'' کہا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد ان دونوں بزرگوں سے زیادہ افضل انسان اس روئے زمین پر پیدا نہیں ہوئے۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان دونوں کے تعلق کا عالم یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے نام ہمیشہ ایک ساتھ آیا کرتے تھے۔

چنانچہ ہم یوں کہا کرتے تھے کہ

جاء أبو بكر رضي الله عنه و عمر رضي الله عنه

ذهب أبو بكر رضي الله عنه و عمر رضي الله عنه

خرج أبو بكر رضي الله عنه و عمر رضي الله عنه

جہاں نام آرہا ہے دونوں کا ایک ساتھ آرہا ہے۔ اس طرح یک جان دو قالب تھے، ہر وقت ان دونوں کا نام سامنے ہوتا۔ جہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کی ضرورت پیش آتی، فرماتے ذرا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بلاؤ،(۱) کبھی دونوں میں جدائی کا تصور نہیں ہوتا تھا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت کرنے کا یہ عالم

(۱) ملاحظہ ہو مسند البزار ٤٣٣/٨ (٣٥٠٧) طبع مكتبة العلوم والحكم وقال الهيثمي في "المجمع" ٥٩٤/٩ (١٥٩١٦) معزوا إلى الطبراني والبزار وقال رجالهما ثقات..الخ، والمعجم الأوسط للطبراني ١٩٣/٤ (٣٩٤٩) وقال الهيثمي في "المجمع" ٢٨/٩ (١٤٣٢٨) ورجاله ثقات.

تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ لوگ مجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ترجیح دے رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم صدیق اکبر کی ایک رات اور ایک دن عمر کی آل واولاد سے کہیں بہتر ہے۔ اس بات سے حضرت عمر کا اشارہ ہجرت اور غارِ ثور کے واقعہ کی طرف تھا[1]۔ دونوں کے درمیان عظمت اور محبت کا یہ عالم تھا، لیکن دونوں کی طبیعتوں میں اختلاف تھا جس کی وجہ سے بعض اوقات ان کے درمیان اختلاف بھی ہوجاتا تھا۔

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کا ایک واقعہ

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان دونوں کے درمیان بات چیت ہورہی تھی، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کہہ دی جس کی وجہ سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ناراض ہوکر چل دیے، اب حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ان کو منانے کے لیے اور سمجھانے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے چل دیے، چلتے چلتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں داخل ہوگئے اور دروازہ بند کرلیا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ تو بہت زیادہ ناراض ہوگئے ہیں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ گئے یا بذریعۂ وحی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی، چنانچہ ابھی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی طرف آرہے تھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو تمہارے دوست آرہے ہیں، یہ

---

(۱) المستدرک للحاکم ۷/۳ (٤٣٦٨) وقال صحیح الاسناد علی شرط الشیخین لولا الارسال فیه ولم یخرجاه ووافقه الذهبی فی التلخیص۔

آج کسی سے جھگڑا کر کے آرہے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مجلس میں آ کر بیٹھ گئے۔

دوسری طرف جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جنہوں نے گھر میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا تھا، جب تنہائی میں پہنچے تو ان کو بڑی شرمندگی اور ندامت ہوئی کہ میں نے یہ بہت برا کیا کہ اوّل تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے ناراضگی کا اظہار کیا، پھر جب وہ میرے پیچھے آئے تو میں نے گھر میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا، چنانچہ گھر سے باہر نکلے اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل پڑے کہ جا کر ان کو مناؤں، جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہیں۔ مجلس میں آ کر اپنی ندامت اور شرمندگی کا اظہار شروع کر دیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) مجھ سے غلطی ہوگئی۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) مجھ سے غلطی ہوئی تھی، ان سے زیادہ غلطی نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معاف کر دیجیے، اصل میں غلطی میری تھی۔ اس وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے عجیب وغریب جملہ ارشاد فرمایا، فرمایا کہ

> کیا میرے ساتھی کو میرے لیے چھوڑو گے یا نہیں؟ یہ وہ شخص ہے کہ جب میں نے یہ کہا تھا کہ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً[1] اے لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اس وقت تم سب نے کہا تھا کہ

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت (۱۵۸)۔

"کَذَبْتَ" صرف اس نے کہا تھا "صَدَقْتَ" یہ تنہا وہ شخص تھا
جس نے کہا تھا کہ تم سچ کہتے ہو[1]۔

بہرحال! صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما جیسے انسان جن کا ذکر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک ساتھ آتا تھا، ان کی طبیعتوں میں اور مزاجوں میں بھی اختلاف تھا جس کے نتیجے میں ان کے درمیان بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے۔

مزاجوں کا اختلاف حق ہے

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی دو انسان ایسے نہیں ہیں جن کی طبیعتیں ایک جیسی ہوں، جیسا تم چاہتے ہو دوسرا بھی ویسا ہی ہو، یہ نہیں ہوسکتا۔ کوئی باپ یہ چاہے کہ میرا بیٹا سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہوجائے، نہیں ہوسکتا، کوئی بیٹا یہ چاہے کہ میرا باپ سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہوجائے، نہیں ہوسکتا، کوئی شوہر یہ چاہے کہ میری بیوی سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہوجائے، نہیں ہوسکتی، کوئی بیوی یہ چاہے کہ میرا شوہر سو فیصد میری مرضی کے مطابق ہوجائے، نہیں ہوسکتا۔

صبر نہیں کروگے تو لڑائیاں ہوں گی

لہٰذا جب آدمیوں کے ساتھ رہنا ہوگا تو پھر تکلیفیں بھی پہنچیں گی، آدمیوں کے ساتھ رہنا اور ان سے تکلیفیں پہنچنا یہ دونوں لازم اور ملزوم ہیں، ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا ہی نہیں جاسکتا۔ لہٰذا جب آدمیوں کے ساتھ رہنا ہے تو یہ سوچ کر رہنا ہوگا کہ ان سے مجھے تکلیف بھی پہنچے گی اور اس تکلیف پر مجھے صبر

(۱) صحیح البخاری ۵/۵(٣٦٦١) و ٦/٥٩(٤٦٤٠)۔

بھی کرنا ہوگا، اگر صبر نہیں کروگے تو لڑائیاں، جھگڑے، فتنے اور فساد ہوں گے اور یہ چیزیں وہ ہیں جو دین کو مونڈ دینے والی ہیں۔

لہٰذا جس کسی سے کوئی تعلق ہو، چاہے وہ تعلق رشتہ داری کا ہو، چاہے وہ تعلق دوستی کا ہو، چاہے وہ زوجیت کا تعلق ہو، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان تعلقات میں تکلیفیں بھی پہنچیں گی، اور ان تکلیفوں پر مجھے صبر کرنا ہوگا، اور ان تکلیفوں کو مستقل ناچاقی کا ذریعہ نہیں بناؤں گا۔ ٹھیک ہے ساتھ رہنے کے نتیجے میں تلخی بھی تھوڑی بہت ہوجاتی ہے، لیکن اس تلخی کو مستقل ناچاقی اور منافرت کا ذریعہ بنانا ٹھیک نہیں۔

تکالیف سے بچنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ جب دوسروں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس تکلیف پر اپنے آپ کو کیسے تسلی دیں؟ اس تکلیف سے اپنے آپ کو کیسے بچائیں؟ اور طبیعت کے خلاف ہونے کے باوجود آپس میں کیسے محبتیں پیدا کریں؟ اس کا نسخہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلادیا، کوئی بات آپ تشنہ چھوڑ کر نہیں گئے۔ چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے تعلق کے بارے میں بیان فرمایا، کیوں کہ سب سے زیادہ خلافِ طبع امور میاں بیوی کے تعلقات میں ہی پیش آتے ہیں، اس لیے کہ جتنا قرب زیادہ ہوگا، اتنا ہی طبیعت کے خلاف باتیں پیش آنے کا بھی امکان ہوگا، اور میاں بیوی کے درمیان جتنا قرب ہوتا ہے وہ کسی اور رشتے میں نہیں ہوتا۔ چونکہ اس تعلق میں دوسرے تعلق کے مقابلے میں تکلیف پہنچنے کے امکانات زیادہ ہیں، اس لیے اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نسخہ کیمیا بیان فرمادیا، وہ یہ کہ

لَا یَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ(۱)

یعنی کوئی مؤمن مرد کسی مؤمنہ عورت سے بغض نہ رکھے، مطلب یہ ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے مستقل بغض نہ رکھے۔ کیوں کہ اگر وہ اپنی بیوی کی کسی بات کو ناپسند کرے گا تو دوسری کسی بات کو پسند بھی کرے گا۔ یعنی جب بیوی سے طبیعت کے خلاف کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو تم ناراض ہوتے ہو اور برا مناتے ہو، اور اسی بات کو لیے بیٹھے رہتے ہو کہ یہ ایسی ہے، یہ یوں کرتی ہے، یوں کرتی ہے، اس میں یہ خرابی ہے، یہ خرابی ہے۔ خدا کے لیے یہ دیکھو کہ اس کے اندر کچھ اچھائیاں بھی تو ہوں گی، لہٰذا جب بیوی سے کوئی بات سامنے آئے جو تمہیں بری لگ رہی ہے تو اس وقت اس کی اس بات کا تصور کرو جو تمہیں پسندیدہ ہے۔ جب اچھائی کا تصور کروگے تو اس برائی کے احساس میں کمی آئے گی۔

صرف اچھائیوں کی طرف دیکھو

یاد رکھیے! دنیا میں کوئی انسان سراپا سیاہ یا سراپا سفید نہیں ہوتا، کوئی سراپا خیر یا سراپا شر نہیں ہوتا، اگر کوئی برا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ بھلائی بھی ضرور ہوگی، اگر بھلا ہے تو اس میں کچھ برائی بھی ضرور ہوگی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کی اچھائی کی طرف دھیان کرو، اس کے نتیجے میں تمہیں نظر آئے گا کہ یہ بات اگرچہ اس کے اندر تکلیف دہ ہے، لیکن دوسری باتیں میری بیوی کے اندر قابل قدر اور قابل تعریف ہیں۔ یہ سوچنے سے صبر آجائے گا۔

---

(۱) صحیح مسلم ۱۰۹۱/۲ (۱۴۶۹)۔

ایک دلچسپ واقعہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کا بڑا اچھا علاج کیا۔ وہ اس طرح کہ ایک صاحب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیوی کی شکایت کرنے لگے کہ اس میں فلاں عادت بڑی خراب ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "طلقھا" یعنی اگر اتنی خراب ہے کہ تمہارے لیے ناقابل برداشت ہے تو اس کو طلاق دے دو۔ اب اس کا دماغ ٹھیک ہوگیا اور اس نے سوچا کہ اگر میں نے اس کو طلاق دے دی اور وہ چلی گئی تو مجھ پر کیا گزرے گی۔ اس لیے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "لاأصبر عنھا" یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس کے بغیر صبر بھی نہیں آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "أمسکھا" پھر اس کو روکے رکھو۔ یعنی جب اس کے اندر خرابی ہے، لیکن اس کے بغیر صبر بھی نہیں آتا تو اس کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اس کو روکے رکھو اور اس کی اس خرابی کو برداشت کرو، البتہ اپنی طرف سے اس کی اصلاح کی جتنی کوشش تم سے ہوسکتی ہے وہ کرلو(۱)۔

بیوی کے کاموں کو سوچو

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کی خرابی بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس سے یہ کہہ دیا کہ اس کو طلاق دے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک دم سے طلاق دینے کا مشورہ کیوں

---

(۱) سنن ابی داود ۲/۲۲۰ (۲۰۴۹) وسنن النسائی ۶/۶۷ (۳۲۲۹) وذکرہ الحافظ ابن حجر فی "بلوغ المرام" ص ۳۳۵ (۱۱۱۰) وقال رواہ ابو داود البزار ورجالہ ثقات واخرجہ النسائی من وجہ آخر عن ابن عباس۔۔۔الخ۔

دے دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے طلاق دینے کا مشورہ اس لیے دیا کہ دراصل اس شخص کا سارا دھیان اپنی بیوی کی برائی کی طرف لگا ہوا تھا، اس کی وجہ سے اس کے دل میں اس کی برائی اس طرح بیٹھ گئی تھی کہ اس کا اپنی بیوی کی اچھائیوں کی طرف دھیان ہی نہیں جارہا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس کو آخری بات کہہ دی کہ اگر یہ تمہاری بیوی اتنی ہی بری ہے تو اس کو طلاق دے کر الگ کردو۔ اب طلاق کا سن کر اس کے دماغ میں یہ آیا کہ میری بیوی میرا یہ کام کرتی ہے، یہ کام کرتی ہے، میرے لیے وہ اتنی فائدہ مند ہے، اگر میں نے طلاق دے دی تو یہ سارے فائدے جاتے رہیں گے، تو میں پھر کیا کروں گا اور کیسے زندگی گزاروں گا۔ اس لیے فوراً اس نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے اس کے بغیر صبر بھی نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر اس کو روکے رکھو۔

برائیوں کی طرف دھیان کرنے کا نتیجہ

بات دراصل یہ ہے کہ جب کسی کی برائیاں تمہارے دل میں بیٹھ جاتی ہیں اور اس کی برائی کی طرف دھیان لگ جاتا ہے تو پھر اس کی اچھائیوں سے آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کی اچھائیوں کا تصور کرو، اور جب اچھائیوں کا تصور کروگے تو اس کی قدر دل میں بیٹھے گی اور عافیت محسوس ہوگی۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ تکلیف تو پہنچی ہے، کوئی نہ کوئی بات طبیعت کے خلاف ہوگی، لیکن اس طبیعت کے خلاف بات کو برداشت کرنا پڑے گا۔

ہوسکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جب تم کسی دوسرے کی کسی بات کو اپنی طبیعت کے

خلاف سمجھ رہے ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص غلطی پر ہو، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دوسرا شخص غلطی پر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو، کیونکہ طبیعتوں کا فرق ہے۔

مثلاً ایک آدمی کو ایک کھانا پسند ہے، دوسرے کو دوسرا کھانا پسند ہے، ایک آدمی کو کریلے پسند ہے، اس کا سالن اس کو مزیدار معلوم ہوتا ہے، دوسرے آدمی کو کریلے ناپسند ہیں، وہ کہتا ہے کہ یہ کڑوے ہیں، مجھ سے نہیں کھائے جاتے۔ یہ طبیعت کا اختلاف ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے کریلے بہت اچھے لگتے ہیں، وہ غلطی پر ہے یا جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے کریلے پسند نہیں، وہ غلطی پر ہے، بلکہ دونوں غلطی پر نہیں ہیں، البتہ دونوں کے مزاجوں کا فرق ہے، طبیعتوں کا فرق ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور وہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے۔

دونوں اپنی جگہ پر درست ہوں

لہٰذا جس جگہ مباحات کے اندر آپس میں اختلاف ہوتا ہے، وہاں کسی ایک فریق کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر نہیں کہہ سکتے، بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر درست ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکثر میاں بیوی کے درمیان طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے، جب ہر دو انسانوں کی طبیعتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو اگر صنف بھی بدل جائے کہ ایک مرد ہے اور ایک عورت ہے تو پھر طبیعتوں کا یہ اختلاف اور زیادہ ہوجاتا ہے۔ عورت کی ایک فطرت ہے اور اس کی الگ نفسیات ہے، مرد کی ایک فطرت ہے اور اس کی الگ نفسیات ہے۔ مرد اپنی فطرت کے مطابق سوچتا ہے،

عورت اپنی فطرت کے مطابق سوچتی ہے۔ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کی صرف برائیوں کو مت دیکھو بلکہ اچھائیوں کی طرف بھی دیکھو۔

سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے

ایک اور بات یاد آ گئی، وہ یہ کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو پسلی سے تشبیہ دی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ، إِنْ أَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا، وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ (۱)

عورت پسلی کی طرح ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے، اور اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو باوجودیکہ وہ تم کو ٹیڑھی نظر آ رہی ہے پھر بھی تم اس سے فائدہ اٹھا سکو گے۔

عورت کا حسن ٹیڑھے پن میں ہے

اب بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ٹیڑھی پسلی کہہ دیا تو اس کی مذمت بیان فرما دی۔ چنانچہ بعض لوگ اس کو اس کی مذمت اور برائی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور جب ان کا بیوی سے جھگڑا ہوتا ہے تو وہ بیوی سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں ''اے ٹیڑھی پسلی میں تجھے سیدھا کر کے رہوں گا۔'' حالانکہ ان لوگوں نے یہ غور نہیں کیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) صحيح البخاری ۲٦/۷ (۵۱۸٤)۔

پسلی کو ٹیڑھی کہہ رہے ہیں، پسلی اگر ٹیڑھی نہ ہو بلکہ سیدھی ہوجائے تو وہ پسلی کہلانے کے لائق نہیں، پسلی کا حسن اور صحت یہ ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو، اگر وہ پسلی سیدھی ہوجائے تو وہ بیمار ہے۔

ٹیڑھا ہونا ایک اضافی چیز ہے

درحقیقت اس حدیث کے ذریعے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ ٹیڑھا ہونا اور سیدھا ہونا ایک اضافی چیز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک نگاہ سے دیکھو تو وہ سیدھی ہے اور دوسرے نگاہ سے دیکھو تو وہ ٹیڑھی ہے۔ دیکھئے! سامنے مسجد کے باہر جو سڑک ہے، اگر مسجد کے اندر سے دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ سڑک ٹیڑھی ہے، اس لیے کہ مسجد کی نسبت سے سڑک ٹیڑھی ہے اور اگر سڑک پر کھڑے ہوکر دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ سڑک سیدھی ہے اور مسجد ٹیڑھی ہے، حالانکہ نہ سڑک ٹیڑھی ہے نہ مسجد ٹیڑھی ہے، اس لیے کہ مسجد کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ قبلہ رخ ہو لہٰذا کسی چیز کا سیدھا اور ٹیڑھا ہونا اضافی صفت ہے، ایک چیز ایک لحاظ سے ٹیڑھی ہے اور دوسرے لحاظ سے سیدھی ہے۔

عورت کا ٹیڑھا پن فطری ہے

بہرحال! اس حدیث کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ چونکہ تمہاری طبیعت عورت کی طبیعت سے مختلف ہے، لہٰذا تمہارے لحاظ سے وہ ٹیڑھی ہے، لیکن حقیقت میں وہ ٹیڑھا پن اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ جس طرح پسلی کی فطرت کا حصہ یہ ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو، اگر پسلی سیدھی ہوجائے تو اس کو ''عیب'' کہا جائے گا اور ڈاکٹر اس کو دوبارہ ٹیڑھی کرنے کی کوشش کرے گا، اس لیے کہ اس کی فطرت

کے اندر ٹیڑھا پن موجود ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے ذریعہ عورت کی برائی بیان نہیں کی جارہی ہے بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ چونکہ عورت کی طبیعت تمہاری طبیعت کے لحاظ سے مختلف ہے، اس لیے تمہیں ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو سیدھا کرنے کی فکر مت کرنا، کیونکہ اس کو سیدھا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے پسلی کو سیدھا کرنا، اور اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اس کو توڑ ڈالوگے، اور اگر تم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دوگے تو اس کے ٹیڑھا ہونے کے باوجود تم اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔

بڑھیا اور عقاب کا واقعہ

عربی سکھانے کی ایک کتاب ''مفید الطالبین''[1] میں ایک قصہ لکھا ہے کہ بادشاہ کا ایک عقاب اڑ کر ایک بڑھیا کے پاس پہنچ گیا، اس بڑھیا نے اس کو پکڑ کر اس کو پالنا شروع کیا۔ جب بڑھیا نے یہ دیکھا کہ اس کی چونچ ٹیڑھی ہے اور اس کے پنجے ٹیڑھے ہیں تو بڑھیا کو اس پر ترس آیا کہ یہ بیچارہ پرندہ ہے، اللہ کی مخلوق ہے، جب اس کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہوگی تو یہ کیسے کھاتا ہوگا، کیونکہ اس کی چونچ ٹیڑھی ہے، اور جب اس کو چلنے کی ضرورت ہوتی ہوگی تو یہ چلتا کیسے ہوگا، اس لیے اس کے پنجے ٹیڑھے ہیں۔ اس بڑھیا نے سوچا کہ میں اس کی یہ مشکل آسان کردوں، چنانچہ قینچی سے پہلے اس کی چونچ کاٹی، اور پھر اس کے پنجے کاٹے، جس کے نتیجے میں اس کا خون بہنے لگا اور وہ زخمی ہوگیا، جتنا پہلے چل سکتا تھا اس سے بھی وہ معذور ہوگیا۔ یہ واقعہ نادان کی محبت کی مثال میں پیش کیا جاتا ہے، کیونکہ اس بڑھیا نے اس عقاب کے ساتھ محبت تو کی، لیکن نادانی اور

(۱) مفید الطالبین ص ۳۹ طبع قدیم مطبع مجتبائی دھلی

بے عقلی کے ساتھ محبت کی، اور یہ نہ سوچا کہ اس کی چونچ اور اس کے پنجوں کا ٹیڑھا ہونا اس کی فطرت کا حصہ ہے اور اس کا حسن اس کے ٹیڑھے پن میں ہے، اگر اس کے یہ اعضاء ٹیڑھے نہ ہوں تو یہ "عقاب" کہلانے کا مستحق نہیں۔

کبھی سکون نصیب نہیں ہوگا

بہر حال! جب بھی دو آدمیوں کے درمیان تعلقات ہوں گے، چاہے وہ مرد ہوں، یا عورتیں ہوں اس تعلق کے نتیجے میں طبیعتوں کا اختلاف ضرور ظاہر ہوگا، اور اس اختلاف کے نتیجے میں ایک کو دوسرے سے تکلیف بھی پہنچے گی۔ اب دو ہی راستے ہیں: ایک راستہ تو یہ ہے کہ جب بھی دوسرے سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر اس سے لڑو، اور اس تکلیف کو آپس میں چپقلش اور ناچاقی کا سبب بناؤ، اگر تم یہ راستہ اختیار کروگے تو تمہیں کبھی بھی چین اور سکون نصیب نہیں ہوگا۔

دوسروں کی تکالیف پر صبر

دوسرا راستہ یہ ہے کہ جب دوسرے سے تکلیف پہنچے تو یہ سوچ لو کہ جب طبیعتیں مختلف ہیں تو تکلیف تو پہنچنی ہی ہے اور زندگی بھی ساتھ گزارنی ہے، اور یہ زندگی ہمیشہ کی زندگی تو ہے نہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ یہیں رہنا ہو، بلکہ چند دنوں کے لیے اس دنیا میں آئے ہیں، نہ جانے کس وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ لہٰذا اس چند روزہ زندگی میں اگر دوسرے سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس پر اللہ کے لیے صبر کرلو، یہ ٹھیک ہے کہ جب تمہیں تکلیف پہنچے گی تو اس وقت تمہارے دل میں اشتعال پیدا ہوگا، غصہ آئے گا اور دل یہ چاہے گا کہ میں اس کا

منہ نوچ ڈالوں، اس کو برا بھلا کہوں، اس کی غیبت کروں، اس کی برائی بیان کروں، اس کو بدنام کروں، اس لیے کہ اس نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے۔

تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

لیکن یہ سوچو کہ اگر تم نے یہ کام کر لیے تو تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوا؟ ہاں یہ ہوا کہ معاشرے میں لڑائی جھگڑا پھیلا اور ذرا سا دل کا جذبہ ٹھنڈا ہوگیا، لیکن حقیقت میں دل کا جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، کیونکہ جب ایک مرتبہ دشمنی کی آگ بھڑک جاتی ہے تو پھر وہ ٹھنڈی نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھتی رہتی ہے۔ چلیے مان لیجیے کہ یہ تھوڑا سا فائدہ حاصل ہوگیا، لیکن اس بدلہ لینے میں تم نے جو زیادتی کی ہوگی اس کا تمہیں قیامت کے دن جو حساب دینا ہوگا اور اس پر تمہیں جو عذاب جھیلنا ہوگا وہ عذاب اس سے کہیں زیادہ ہے کہ دنیا میں اس کی تکلیف پر صبر کر لیتے اور یہ سوچتے کہ چلو اس نے اگرچہ میرے ساتھ زیادتی کی ہے، لیکن میں اس پر صبر کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔

صبر کرنے کا اجر

اگر صبر کرلیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱)

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں۔

کوئی گنتی ہی نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو گنتی بیان کر دیتے، لیکن ہم لوگ

(۱) سورۃ الزمر آیت (۱۰)۔

گنتی سے عاجز ہیں، ہمارے پاس تو گنتی کے لیے چند عدد ہیں، مثلاً ہزار، لاکھ، کروڑ، ارب، کھرب، پدم، بس آگے کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو صبر کا اجر دینے کے لیے لفظ پیدا فرمادیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ صبر کرنے والے کو اجر دینے کے لیے کوئی گنتی ہی نہیں۔

مثلاً اگر کسی نے تمہیں ایک مکا مار دیا، اب اگر بدلہ میں تم نے بھی اس کو ایک مکا ماردیا تو تمہارے لیے یہ بدلہ لینا جائز تھا، لیکن اس بدلہ لینے کے نتیجے میں تمہیں کیا ملا؟ کچھ نہیں اور اگر تم نے صبر کرلیا اور بدلہ نہ لیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تمہیں اتنا اجر دوں گا کہ تم شمار بھی نہیں کرسکو گے۔ لہٰذا صبر پر ملنے والے اس اجر و ثواب کو سوچ کر غصہ پی جاؤ اور بدلہ نہ لو۔

بدلہ لینے سے کیا فائدہ؟

اور اگر کوئی دوسرا شخص تمہیں تکلیف پہنچارہا ہے تو شریعت نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے کہ اس تکلیف کو جس حد تک روکنا تمہارے لیے ممکن ہے، اس حد تک اس کا راستہ بند کرنے کی کوشش کرلو، لیکن اپنے اوقات کو اس تکلیف دینے والے کے درپے آزاد ہونے میں صرف کرنا، اوقات کا اس سے بڑا ضیاع کوئی نہیں۔ مثلاً آپ نے کسی سے سنا کہ فلاں آدمی مجلس کے اندر آپ کی برائی کررہا تھا، اب اگر تمہیں پتہ ہی نہ چلتا کہ فلاں آدمی برائی کررہا تھا، پھر تو کچھ بھی نہ ہوتا، لیکن دوسرے شخص نے تمہیں بتادیا، اس کے نتیجے میں تمہارے دل پر چوٹ لگ گئی، اب ایک راستہ یہ ہے کہ تم اس کی کھوج میں لگ جاؤ کہ اس مجلس میں کون کون موجود تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے پاس جاکر تفتیش کرو کہ

فلاں نے میری کیا برائی بیان کی؟ اور ہر ایک سے گواہی لیتے پھرو، اور اپنا سارا وقت اس کام میں خرچ کر دو، تو اس کا حاصل کیا نکلا؟ کچھ بھی نہیں۔ اس کے برخلاف اگر تم نے یہ سوچا کہ اگر فلاں شخص نے میری برائی بیان کی تھی تو وہ جانے اس کا اللہ جانے، اس کے اچھا کہنے سے نہ میں اچھا ہوسکتا ہوں، اور اس کے برا کہنے سے نہ میں برا ہوسکتا ہوں، میرا معاملہ تو میرے اللہ کے ساتھ ہے، اگر میرا معاملہ میرے اللہ کے ساتھ درست ہے تو پھر دنیا مجھے کچھ بھی کہتی رہے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ؎

خلقے پس او دیوانہ و دیوانہ بکارے

ساری مخلوق اگر میری برائی کرتی ہے تو کرتی رہے۔ میرا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

اگر یہ سوچ کر تم اپنے کام میں لگ جاؤ تو یہ ''صبر علی الاذیٰ'' ہے جس پر اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

برابر کا بدلہ لو

اور اگر تم نے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے بدلہ لینے کا ہی ارادہ کرلیا کہ میں تو بدلہ ضرور لوں گا، تو بدلہ لینے کے لیے وہ ترازو اور پیمانہ کہاں سے لاؤ گے جس سے یہ پتہ چلے کہ میں نے بھی اتنی ہی تکلیف پہنچائی ہے جتنی تکلیف اس نے پہنچائی تھی؟ اگر تم تکلیف پہنچانے میں ایک انچ اور ایک تولہ آگے بڑھ گئے تو اس پر آخرت میں جو پکڑ ہوگی اس کا حساب کون کرے گا؟ اس لیے بدلہ لینے کا آپ کو حق حاصل ہے، مگر یہ حق بڑا خطرناک ہے، لیکن اگر تم نے معاف کر دیا تو اس پر

بے حساب اجر و ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (۱)

یعنی اگر صبر کرو تو صبر کرنا بدرجہا بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔

خلاصہ

بہرحال! جب لوگوں کے ساتھ رہو گے، ان کے ساتھ تعلقات رکھو گے، اور ان کے ساتھ معاملات ہوں گے تو پھر تکلیفیں بھی پہنچیں گی، لیکن اس کا نسخہ نبی کریم ﷺ نے یہ بتادیا کہ ان تکلیفوں پر صبر کرے اور ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ اگر ہر انسان اس نسخے پر عمل کرلے اور یہ سوچ لے کہ دوسرے کی طرف سے جو خلافِ طبع امور پیش آئیں گے، اس پر حتی الامکان صبر کروں گا، تو دنیا سے تمام جھگڑے اور فساد ختم ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس عظیم نسخے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(۱) سورۃ النحل آیت (۱۲۶)۔

خاندانی اختلافات کے

اسباب اور ان کا حل

تیسرا سبب

اصلاحی خطبات ۱۱/۲۴۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی اختلافات اور ان کا حل

تیسرا سبب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن أبی موسیٰ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: «مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللهِ، يَدَّعُونَ لَهُ الوَلَدَ، ثُمَّ يُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ». (۱)

(۱) صحیح البخاری ۸/۲۵ (۶۰۹۹) و ۹/۱۱۵ (۷۳۷۸)۔

دوسروں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر

پچھلے اتوار ایک حدیث پڑھی تھی، جس کی تشریح میں میں نے عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں ناچاقیاں اور اختلافات اور بغض و عداوت یہ ایک بہت بڑی دینی اور معاشرتی بیماری ہے، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری سے بچانے کے لیے اور مسلمانوں کے درمیان محبت اور اخوت قائم کرنے کے لیے بہت سی ہدایات عطا فرمائی ہیں، ان ہدایات میں سے ایک ہدایت پچھلے بیان میں عرض کی تھی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> جو شخص دوسروں کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے اور پھر لوگوں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے تو وہ اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا اور جس کے نتیجے میں لوگوں سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں اختلاف اور ناچاقی کا بہت بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ دوسروں سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر نہ کیا جائے، ساتھ رہنے کے نتیجے میں دوسرے سے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور پہنچے گی، لیکن اس تکلیف پر انسان کو صبر کرنا چاہیے۔

---

(۱) سنن الترمذی ٤/٢٧٨ (٢٥٠٧) وسنن ابن ماجه ٥/٤٩٩ (٤٠٣٢) وذكره الحافظ ابن حجر فی "فتح الباری" ١٠/٥١٢ وقال اخرجه ابن ماجه بسند حسن۔ طبع دار المعرفة۔

سب سے زیادہ صبر کرنے والی ذات

اسی ہدایت کی تاکید کے طور پر حضورِ اقدس ﷺ نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کائنات میں کوئی بھی ذات دوسرے سے پہنچنے والی تکلیف پر اتنا صبر کرنے والی نہیں جتنی اللہ جل شانہٗ کی ذات صبر کرنے والی ہے۔ لوگ اللہ جل جلالہ کو ایسی باتیں کہتے ہیں جو ایذاء اور تکلیف کا ذریعہ ہوتی ہیں، چنانچہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا مانتے ہیں جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ۔ معاذ اللہ۔ بعض یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنادیا، بعض مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے دیا، بہت سے لوگوں نے پتھروں کو، درختوں کو، یہاں تک کہ جانوروں کو، گائے بیل کو، سانپ بچھو کو خدا ماننا شروع کردیا۔ جس ذات نے ان سب انسانوں کو پیدا کیا اور فرشتوں کو یہ بتا کر پیدا کیا کہ میں انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنارہا ہوں، وہی انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بردباری دیکھئے

یہ انسان اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچانے والے کام کررہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی بردباری دیکھئے کہ یہ سب باتیں سنتے ہیں، اس کے باوجود ان انسانوں کو عافیت بھی دے رکھی ہے اور ان کو رزق بھی دے رکھا ہے۔ اس کائنات میں آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ کافروں اور مشرکوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہمیشہ

سے ان کی تعداد زیادہ ہی رہی، اور قرآنِ کریم نے بھی کہہ دیا کہ

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (۱)

یعنی اگر آپ زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکادے گی۔

اس لیے کہ انسانوں کی اکثریت تو کفر میں، شرک میں اور فسق میں مبتلا ہے۔

جمہوریت کا فلسفہ ماننے کا نتیجہ

آج کل دنیا میں ''جمہوریت'' کا شور مچایا جارہا ہے، اور یہ کہا جارہا ہے کہ اکثریت جو بات کہہ دے وہ حق ہے۔ اگر یہ اصول تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ''کفر'' برحق ہے اور ''اسلام'' باطل ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس لیے کہ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی اکثریت یا تو کفر میں مبتلا ہے یا شرک میں مبتلا ہے، اور جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان میں بھی آپ دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ٹھیک ٹھیک شریعت کے دائرے پر چلنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور بے فکر، بے پروا اور فسق و فجور کے اندر مبتلا اور معصیتوں میں گرفتار انسانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

کافروں کے ساتھ حسن سلوک

اس روئے زمین پر کفر بھی ہورہا ہے، شرک بھی ہورہا ہے، معصیت بھی

(۱) سورۃ الانعام آیت (۱۱۶)۔

ہو رہی ہے، فسق و فجور بھی ہو رہا ہے، لیکن ان سب چیزوں کو دیکھنے کے باوجود انہی لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے وجود تک کا انکار کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو رزق عطا فرما رہے ہیں، ان کو عافیت دے رکھی ہے اور ان پر دنیا میں نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حلم اور بردباری ہے، اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون ان ایذاؤں پر صبر کرنے والا ہوگا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؏

بر ایں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رزق کا جو دسترخوان بچھایا ہوا ہے، اس میں دوست دشمن سب برابر ہیں، دوست کو بھی کھلا رہے ہیں، دشمن کو بھی کھلا رہے ہیں، بلکہ بعض اوقات دشمن کو زیادہ کھلا رہے ہیں۔ اس وقت آپ کافروں اور مشرکوں کو دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ان کے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں، جبکہ مسلمانوں پر بعض اوقات فقر و فاقہ بھی گزر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی باتوں کو سننے کے باوجود ان کے ساتھ حلم کا معاملہ فرما رہے ہیں، ان کو عافیت اور رزق عطا فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو

بہر حال! اللہ تعالیٰ کے اس حلم کو دیکھئے اور پھر اس ارشاد پر عمل کریں کہ:

”تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللهِ“(۱)

اے انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق حاصل کرنے کی اور ان کو اپنانے کی

(۱) حسن التنبه لما ورد في التشبه لنجم الدين الغزي ۱۹۵/۱ طبع دار النوادر۔ بريقه محموديه ۲۸۳/۱ طبع مطبعة الحلبي۔

کوشش کرو، اگرچہ سو فیصد تو حاصل نہیں ہو سکتے، لیکن اس بات کی کوشش کرو کہ وہ اخلاق تمہارے اندر بھی آجائیں۔ جب اللہ جل جلالہ لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر اتنا صبر فرما رہے ہیں تو اللہ کے بندو! تم بھی لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرو، اور دوسروں سے اگر تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس کو برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔

دنیا میں بدلہ نہ لو

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں صبر فرما رہے ہیں اور کافروں اور مشرکوں کو عافیت اور رزق دے رکھا ہے، یہ دنیا میں ترقی کر رہے ہیں، لیکن جب آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو پکڑیں گے تو پھر چھوٹ نہیں پائیں گے، اور ان کو ایسا سخت عذاب دیں گے کہ یہ اس سے بچ نہیں سکیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دنیا میں صبر کا معاملہ فرمایا ہے تو تم بھی یہ معاملہ کرلو کہ دنیا میں جس شخص سے تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے، اس سے کہہ دو کہ میں تم سے بدلہ نہیں لیتا اور میں نے تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا، آخرت میں اللہ تعالیٰ خود انصاف کرا دیں گے، لہٰذا تم اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دو۔ اس لیے کہ تم دنیا میں اس تکلیف پر جو بدلہ لوگے وہ بدلہ اس انتقام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو آخرت میں اللہ تعالیٰ لیں گے۔ لہٰذا اگر تمہیں بدلہ لینے کا شوق ہے تو پھر یہاں پر بدلہ نہ لو بلکہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

معاف کرنا بہتر ہے

تمہارے لیے بہتر تو یہ ہے کہ معاف ہی کر دو، اس لیے کہ جب تم معاف کر دو گے تو اللہ تعالیٰ خود کفالت فرمائیں گے اور تمہاری حاجتیں پوری فرمائیں

گے اور تمہیں جو تکلیفیں پہنچی ہیں وہ ختم فرمائیں گے، چنانچہ اللہ کے بندے معاف ہی فرمادیتے ہیں۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا جو ہمارے دادا پیر ہیں اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے، ان کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچاتا تو فرماتے کہ یا اللہ! میں نے اس کو معاف کردیا، حتیٰ کہ اگر کوئی چور مال چوری کر کے لے جاتا تو آپ فرماتے کہ یا اللہ! میں نے یہ مال اس کے لیے حلال کردیا، میں اس سے بدلہ لے کر اور اس کو عذاب دلوا کر کیا کروں گا۔ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے، جب بازار کوئی چیز خریدنے جاتے تو پیسوں کی تھیلی ہاتھ میں ہوتی، سامان خریدنے کے بعد وہ تھیلی دکاندار کو پکڑا دیتے کہ اس تھیلی میں سے اس کی قیمت لے لے، خود نہ گنتے، اس لیے کہ جتنا وقت نکال کر گننے میں لگے گا اتنے وقت میں ذکر میں مشغول رہوں گا۔

حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے، ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی تھی، ایک چور کو پتہ چل گیا کہ میاں صاحب کے پاس پیسوں کی تھیلی ہے، وہ چور پیچھے سے آیا اور تھیلی چھین کر بھاگ گیا۔ میاں جی نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کون تھیلی چھین کر لے گیا، یہ سوچا کہ کون اس کے پیچھے بھاگے اور تحقیق کرے کہ کون لے گیا۔ بس ذکر کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چل دیے اور دل میں یہ نیت کرلی کہ اے اللہ! جس چور نے یہ پیسے لیے ہیں وہ پیسے میں نے اس کو معاف کردیے اور اس کے لیے وہ پیسے ہبہ کردیے۔ اب وہ چور چوری کر کے مصیبت میں پھنس گیا، اور اپنے گھر کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن ان گلیوں سے نکلنے کا راستہ نہیں پاتا، ایک

گلی سے دوسری گلی میں، دوسری سے تیسری گلی میں آجاتا، وہ گلیاں اس کے لیے بھول بھلیاں بن گئیں، جہاں سے چلتا دوبارہ وہاں پہنچ جاتا نکلنے کا راستہ ہی اس کو نہ ملتا، جب کئی گھنٹے گزر گئے اور چلتے چلتے تھک گیا تو اس کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ یہ بڑے میاں کی کوئی کرامت معلوم ہوتی ہے، میں نے ان کے پیسے چھینے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے میرا راستہ بند کردیا۔ اب کیا کروں؟ اس نے سوچا کہ اب یہی راستہ ہے کہ ان بزرگ کے پاس دوبارہ واپس جاؤں اور ان سے درخواست کروں کہ خدا کے لیے یہ پیسے لے لو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے میری جان چھڑاؤ۔ چنانچہ میاں صاحب کے گھر کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی، میاں صاحب نے پوچھا کہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ حضور! میں نے آپ کے پیسے چھین لیے تھے، مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، خدا کے لیے یہ پیسے واپس لے لو۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ پیسے تمہارے لیے حلال کر دیے اور تمہیں ہبہ کر چکا اب یہ پیسے میرے نہیں رہے، میں نے تمہیں دے دیے، اب میں واپس نہیں لے سکتا۔ اس چور نے کہا کہ خدا کے لیے یہ پیسے واپس لے لو۔

اب دونوں کے درمیان بحث ہو رہی ہے، چور کہتا ہے کہ خدا کے لیے پیسے لے لو، وہ کہتے ہیں کہ میں نہیں لیتا، میں تو ہبہ کر چکا۔ آخر کار میاں جی نے پوچھا کہ کیوں واپس کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا حضرت! بات یہ ہے کہ میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں مگر راستہ نہیں مل رہا ہے، میں کئی گھنٹوں سے ان گلیوں میں بھٹک رہا ہوں۔ میاں جی نے فرمایا اچھا میں دعا کر دیتا ہوں تمہیں راستہ مل جائے گا چنانچہ انہوں نے دعا کی اور اس کو راستہ مل گیا۔

کسی کی طرف سے ''بغض'' نہ رکھو

بہرحال! ان اللہ والوں کو اگر کوئی تکلیف بھی پہنچائے تو یہ اللہ والے اس کے ساتھ بھی ''بغض'' نہیں رکھتے، بغض ان کی گلی میں گزرا ہی نہیں۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن

ہماری طریقت میں کسی شخص سے ''بغض'' رکھنا کفر کی طرح ہے۔ ہمارا آئین تو یہ ہے کہ ہمارا دل آئینہ کی طرح ہوتا ہے، اس پر کسی کے بغض، عناد اور دشمنی کا کوئی داغ نہیں ہے۔

بدلہ اللہ پر چھوڑ دو

لہٰذا جو تمہیں تکلیف پہنچائے، اس کو اللہ کے لیے معاف کر دو، اور اگر بدلہ لینا ہی ہے تو اس بدلے کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اس لیے کہ اگر خود بدلہ لو گے تو اس سے لڑائی جھگڑے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوگا کہ جتنا تمہیں بدلہ لینے کا حق تھا اتنا ہی بدلہ لیا یا اس سے زیادہ بدلہ لے لیا۔ اس لیے اگر زیادہ بدلہ لے لیا تو قیامت کے دن تمہاری گردن پکڑی جائے گی، اس لیے بدلہ اللہ پر چھوڑ دو۔

ہر انسان اپنے فرائض کو ادا کرے

البتہ یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہیے، وہ یہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر انسان کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ تمہارا فریضہ یہ

ہے، تمہارا یہ کام ہونا چاہیے، تمہارا طریقہ کار یہ ہونا چاہیے، لہٰذا جس شخص کو تکلیف پہنچی ہے اس کو تو آپ صبر کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں کہ تم صبر کرو اور معاف کردو، بدلہ نہ لو، اس سے بغض اور عداوت نہ رکھو، اور اس تکلیف کو اختلاف اور انتشار کا ذریعہ نہ بناؤ، لیکن دوسری طرف حضورِ اقدس ﷺ نے تکلیف پہنچانے والے کو دوسرے انداز سے خطاب فرمایا تا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ جب حضورِ اقدس ﷺ جس شخص کو تکلیف پہنچی ہے، اس کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں تو پھر تکلیف پہنچانے میں بھی کوئی حرج نہیں، ایسا نہیں۔

دوسروں کو تکلیف مت دو

بلکہ تکلیف پہنچانے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا تو یہ فرمان ہے کہ کسی بھی انسان کو اگر تمہاری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی تو میں اس وقت تک معاف نہیں کروں گا جب تک وہ بندہ معاف نہ کردے یا تم اس کے حق کی تلافی نہ کردو(۱)۔ لہٰذا کسی بھی انسان کو تکلیف پہنچانے سے بچو، کسی بھی قیمت پر ایسا اقدام نہ کرو جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے۔

---

(۱) وفي مسند أحمد ۱۵۵/۴۳ (۲۶۰۳۱): "وَأَمَّا الدِّيوَانُ الَّذِي لاَ يَترُكُ اللهُ مِنهُ شَيئًا: فَظُلْمُ العِبَادِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا، القِصَاصُ لاَ مَحَالَةَ". وقال الهيثمي في "المجمع" ۶۳۰/۱۰ (۱۸۳۸۲) رواه أحمد، وفيه صدقة بن موسى، وقد ضعفه الجمهور، وقال مسلم بن إبراهيم: حدثنا صدقة بن موسى، وكان صدوقا، وبقية رجاله ثقات۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک جس کی غیبت کی گئی ہے وہ معاف نہ کردے ملاحظہ ہو المعجم الاوسط ۳۴۸/۶ (۶۵۹۰)۔ عنایت

چیف جسٹس کا روزانہ دو سو رکعت نفل پڑھنا

حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، اور بڑے درجے کے فقہاء میں سے ہیں، فقیہ ہونے کی حیثیت سے تو مشہور ہیں، البتہ ولی ہونے سے کی حیثیت سے معروف نہیں ہیں، لیکن ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ جب ''قاضی القضاۃ'' (چیف جسٹس) بن گئے، تو اس کے بعد اپنی تمام مشغولیت کے باوجود دن بھر میں دو سو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے(۱)۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو کسی نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر فکر اور تشویش کے آثار ہیں، ان سے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کی فکر اور تشویش ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا وقت قریب آ رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہاں پر اپنی زندگی کے اعمال کا کیا جواب دوں گا۔ اور تمام واقعات کے بارے میں مجھے یاد ہے کہ میں ان سے توبہ کر چکا ہوں اور استغفار کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

یہ ناانصافی مجھ سے ہوگئی

لیکن ایک واقعہ ایسا یاد آ رہا ہے جس کی وجہ سے مجھے بہت سخت تشویش ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ جس وقت میں ''قاضی'' کے عہدے پر تھا، اور لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتا تھا، اس دوران ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم کا مقدمہ میرے پاس آیا، میں نے مقدمہ سنتے وقت مسلمان کو تو اچھی جگہ پر بٹھایا اور غیر مسلم کو اس سے کمتر جگہ پر بٹھایا، حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب

---

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ۵۳۷/۸ طبع موسسہ الرسالہ۔

تمہارے پاس مقدمہ کے دو فریق آئیں تو ان کے درمیان مجلس بھی برابر ہونی چاہیے، جس جگہ پر مدعی کو بٹھایا ہے اسی جگہ پر مدعا علیہ کو بھی بٹھاؤ، ایسا نہ ہو کہ دونوں کے درمیان نشست کے اندر فرق کر کے ناانصافی کی جائے۔ مجھ سے یہ ناانصافی ہوگئی ہے، اگرچہ میں نے فیصلہ تو حق کے مطابق کیا الحمدللہ، لیکن بٹھانے کی ترتیب میں شریعت کا جو حکم ہے اس میں رعایت نہ رہ سکی۔ مجھے اس کی تشویش ہو رہی ہے کہ اگر اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا، کیوں کہ یہ ایسی چیز ہے جو کہ توبہ سے معاف نہیں ہوسکتی جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے(۱)۔

حقیقی مسلمان کون

لہٰذا صرف مسلمان ہی نہیں، غیر مسلموں کے بھی شریعت نے حقوق بتائے ہیں، حتیٰ کہ جانوروں کے بھی حقوق شریعت نے بیان کیے ہیں، احادیث میں کئی واقعات آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ زیادتی کرنے کے نتیجے میں لوگوں پر کیسے کیسے عذاب آئے(۲)۔ بہرحال! ایک طرف تو یہ کہا

---

(۱) مناقب ابی حنیفه وصاحبیه للذهبی ص ۷۰ طبع لجنة احیاء المعارف النعمانیة حیدرآباد دکن۔

(۲) فی صحیح البخاری ۱۳۰/٤ (۳۳۱۸) "دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا، فَلَمْ تُطْعِمْهَا، وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ"۔ نیز روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے لیے تشریف لا رہے تھے کہ مسجد کے پاس ایک اونٹ بندھا ہوا دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کا مالک کہاں ہے؟ کسی نے جواب نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی اور جب نماز سے فارغ ہو کر نکلنے لگے تو دیکھا کہ وہ اونٹ اسی طرح بندھا ہوا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کا مالک کہاں ہے، اس اونٹ کے مالک نے جواب دیا کہ =

جارہا ہے کہ خبردار! اپنی ایک ایک نقل و حرکت میں اور اپنے ایک ایک انداز و اداء میں اس بات کا خیال رکھو کہ تمہاری ذات سے دوسرے کو ادنیٰ سی تکلیف بھی نہ پہنچے۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (۱)

مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس کی ذات سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

یہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ اس کی معافی کا کوئی راستہ نہیں، سوائے اس کے کہ صاحب حق معاف کرے۔ لہذا ایک طرف تو ہر ایک انسان کو یہ تنبیہ کردی کہ تمہاری ذات سے دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے، اور دوسری طرف یہ کہہ دیا کہ اگر تمہیں دوسرے سے تکلیف پہنچے تو اس پر صبر کرو اور اس کو معاف کردو، اس کی وجہ سے اس سے بغض اور عداوت نہ رکھو اور اس کو افتراق کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یہ وہ تعلیم ہے جو نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائی۔

حضور اقدس ﷺ کی تربیت کا انداز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت حضورِ اقدس ﷺ نے دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح فرمالیا، ان صحابہ میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی تھے، پھر فتح مکہ کے بعد حنین کی جنگ پیش آئی، وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے

= میں ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تجھے اللہ کا خوف نہیں ہے یا تو اسے چارہ دیتے یا اسے کھلا چھوڑ دیتے کہ خود ہی گھاس پھونس چرتا۔ ملاحظہ ہو: المعجم الكبير ۸٤/٤ (١٤٦٩٤) وقال الهيثمی فی "المجمع "۳۵۹/۸ (۱۳۷٤٦) واسناده جيد۔ عنایت

(۱) صحیح البخاری ۱۱/۱ (۱۰)۔

بالآخر فتح عطا فرمائی، اس پورے سفر میں بڑی مقدار میں مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، اس زمانے میں گائے، بیل، بکری کی شکل میں مال ہوتا تھا، چنانچہ جس کے پاس جتنے زیادہ جانور ہوتے اتنا ہی بڑا مالدار سمجھا جاتا تھا، تو مال غنیمت کے اندر بڑی مقدار میں جانور مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

نئے مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم

جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو حضورِ اقدس ﷺ نے یہ محسوس فرمایا کہ وہ لوگ جو مکہ مکرمہ کے آس پاس رہنے والے ہیں، یہ ابھی تازہ مسلمان ہوئے ہیں، ابھی اسلام ان کے دلوں کے اندر راسخ نہیں ہوا، اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے، بلکہ اسلام کی طرف تھوڑا سا میلان ہوا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا تو جو لوگ تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں وہ اسلام پر پختہ ہوجائیں گے، اور جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے ہیں وہ بھی اس کے نتیجے میں مسلمان ہوجائیں گے، پھر یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف سازش نہیں کریں گے، لہٰذا جتنا مال غنیمت آیا تھا حضورِ اقدس ﷺ نے وہ سارا کا سارا مال وہاں کے لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیا۔

منافقین کا کام لڑائی کرنا

اس وقت کوئی منافق انصار صحابہ کے پاس چلا گیا اور ان سے جا کر کہا کہ دیکھو تمہارے ساتھ کیسا سلوک ہو رہا ہے، لڑنے کے لیے مدینہ منورہ سے تم چل کر آئے اور حضورِ اقدس ﷺ کا ساتھ تم نے دیا اور حضور ﷺ کے ساتھ

جہاد کر کے تم نے اپنی جانیں دیں، لیکن مال غنیمت ان لوگوں میں تقسیم ہوگیا جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں اور جن کے خلاف تمہاری تلواریں چل رہی تھیں اور جن کے خون سے تمہاری تلواریں اب بھی آلودہ ہیں اور تمہیں مال غنیمت میں سے کچھ نہ ملا۔ چونکہ منافقین ہر جگہ ہوتے تھے، ان میں سے کسی نے صحابہ کے درمیان لڑائی کرانے کے لیے یہ بات چھیڑی تھی، اب انصار صحابہ میں جو عمر رسیدہ اور تجربہ کار حضرات تھے ان کے دلوں میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا وہ جانتے تھے کہ اس مال و دولت کی حقیقت کیا ہے؟

لیکن انصار صحابہ میں جو نوجوان تھے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ یہ عجیب معاملہ ہوا کہ سارا مال غنیمت انہی میں تقسیم ہوگیا اور ہم لوگ جو جہاد میں شریک تھے، ہمیں کچھ نہ ملا۔

آپ کا حکیمانہ خطاب

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ بعض انصار صحابہ کو یہ خیال ہورہا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ تمام انصار صحابہ کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔ جب سب جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ”اے گروہ انصار! تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی، تمہیں اللہ تعالیٰ نے نبی کی میزبانی کا شرف عطا فرمایا، اور میں نے یہ مال غنیمت ان لوگوں میں تقسیم کردیا جو یہاں کے رہنے والے ہیں تاکہ یہ ایمان پر پختہ اور راسخ

ہو جائیں، اور کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میں جس کو مال غنیمت نہیں دیتا ہوں وہ زیادہ معزز اور محبوب ہوتا ہے اس کے مقابلے میں جس کو میں مال غنیمت دیتا ہوں، لیکن میں نے سنا ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں میں اس قسم کا خیال پیدا ہوا ہے۔ پھر فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جائیں تو ان کے ساتھ گائے، بیل، بکریاں ہوں اور جب تم اپنے گھروں کی طرف واپس جاؤ تو تمہارے ساتھ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ بتاؤ ان میں سے کون افضل ہے؟

جس وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی اس وقت تمام لوگوں کے دلوں میں ٹھنڈک پڑگئی، انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! ہمارے لیے تو اس سے بڑا اعزاز کوئی نہیں ہے، یہ بات صرف چند نوجوانوں نے کہہ دی تھی ورنہ ہمارے جو بڑے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا فیصلہ فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ برحق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص کون تھے؟

جب یہ سارا قصہ ختم ہوگیا تو اس کے بعد پھر انصارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضور اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے انصار خوب سن لو! تم میرے خاص الخاص لوگ ہو۔

لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا

اگر لوگ ایک راستے پر جائیں اور انصار دوسرے راستے پر جائیں تو میں انصار والا راستہ اختیار کروں گا۔

انصار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو صبر کرنے کی وصیت

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے انصار! ابھی تک تو تمہارے ساتھ نا انصافی نہیں ہوئی، اور مجھے تمہارے ساتھ محبت اور تعلق ہے وہ ان شاء اللہ برقرار رہے گا، لیکن میں تمہیں پہلے سے بتادیتا ہوں کہ میرے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد تمہیں اس بات سے واسطہ پیش آئے گا کہ تمہارے مقابلے میں دوسروں کو زیادہ ترجیح دی جائے گی۔ یعنی جو امراء اور حکام بعد میں آنے والے ہیں، وہ تمہارے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کریں گے، جتنا اچھا سلوک مہاجرین اور دوسروں کے ساتھ کریں گے۔ اے گروہ انصار! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ ایسا سلوک ہو تو فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ. اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم مجھ سے آملو[1]۔

اس ارشاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے یہ بتادیا کہ آج تو تمہارے ساتھ نا انصافی نہیں ہوئی، لیکن آئندہ تمہارے ساتھ نا انصافی ہوگی اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس نا انصافی کے موقع پر صبر کرنا۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۵۷/۵ (۴۳۳۰) وصحیح مسلم ۷۳۸/۲ (۱۰۶۱)۔

انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس وصیت پر عمل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ نہیں فرمایا کہ اس موقع پر ''تحفظ حقوق انصار'' کی ایک انجمن بنالینا، پھر اپنے حقوق طلب کرنے کے لیے جھنڈے لے کر کھڑے ہوجانا اور بغاوت کا علم بلند کردینا، بلکہ یہ فرمایا کہ اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے حوضِ کوثر پر آکر مل جاؤ۔ چنانچہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر ایسا عمل کرکے دکھایا کہ پوری تاریخ اسلام میں انصار کی طرف سے کوئی لڑائی اور جھگڑا آپ کو نہیں ملے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مشاجرات ہوئے اور اس کے نتیجے میں جنگ جمل اور جنگ صفین بھی ہوئیں، لیکن انصارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے امراء اور حکام کے خلاف کوئی بات پیش نہیں آئی۔

انصار کے حق کا خیال رکھنا

ایک طرف تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ وصیت فرمائی، دوسری طرف حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں نماز کے لیے بھی تشریف نہیں لارہے تھے، اس وقت لوگوں کو جو وصیتیں فرمائیں ان وصیتوں میں ایک یہ تھی کہ یہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم انہوں نے میری مدد کی ہے اور انہوں نے قدم قدم پر ایمان کا مظاہرہ کیا ہے، لہٰذا ان کے حقوق کا خیال رکھنا، ایسا نہ ہو کہ ان انصار کے دل میں ناانصافی کا خیال پیدا ہوجائے[1]۔ لہٰذا ایک طرف تو صحابہ کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ ان

(۱) صحیح البخاری ۳۲/۵ (۳۷۹۹) وفیہ: "أوصیکم بالأنصار، فإنهم کرشي وعیبتي"۔

انصار کے حقوق کا کیال رکھنا، اور دوسری طرف انصار کو یہ تلقین کی کہ اگر کبھی تمہارے ساتھ ناانصافی ہو تو صبر کا معاملہ کرنا۔

ہر شخص اپنے حقوق بجالائے

لہٰذا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تلقین یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کو دیکھے کہ میرے ذمہ کیا فریضہ عائد ہوتا ہے؟ مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ اور میں اس فریضے کو اور اس مطالبے کو پورا کر رہا ہوں یا نہیں؟ اور جب ہر انسان کو یہ دھن لگ جاتی ہے کہ میں اپنا فریضہ صحیح طور پر ادا کروں اور میرے ذمے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مطالبہ ہے وہ پورا کروں تو اس صورت میں سب کے حقوق ادا ہوجاتے ہیں۔

آج ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کررہا ہے

آج دنیا میں الٹی گنگا بہہ رہی ہے، اور آج یہ سبق قوم کو پڑھایا جارہا ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لیے جھنڈا لے کر کھڑا ہوجائے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، اس کے نتیجے میں وہ اس بات سے بے پرواہ ہے کہ میرے ذمے کیا فرائض اور حقوق عائد ہوتے ہیں؟ مجھ سے کیا مطالبات ہیں؟ مزدور یہ نعرہ لگارہا ہے کہ میرے حقوق مجھے ملنے چاہئیں، آجر کہہ رہا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، لیکن نہ مزدور کو اپنے فرائض کی پرواہ ہے اور نہ آجر کو اپنے فرائض کی پرواہ ہے، آج مزدور کو یہ حدیث تو خوب یاد ہے کہ

مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو[(۱)]

لیکن اس کی فکر نہیں کہ جو کام اس نے کیا ہے اس میں پسینہ بھی نکلا یا نہیں؟ اس کو اس کی فکر نہیں کہ میں نے جو کام کیا ہے وہ واقعتاً اس لائق ہے کہ اس پر مزدوری دی جائے؟

ہر انسان اپنا جائزہ لے

لہٰذا ہر انسان اپنا جائزہ لے، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ میں جو کام کر رہا ہوں، وہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص دفتر میں کام کر رہا ہے اس کو اس کی فکر تو ہوتی ہے کہ میری تنخواہ بڑھنی چاہیے، میرا فلاں گریڈ ہونا چاہیے، مجھے اتنی ترقیاں ملنی چاہئیں، لیکن کیا اس ملازم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ دفتر کے اندر جو فرائض میرے ذمے عائد ہیں، وہ فرائض میں ٹھیک طریقے پر ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج لوگوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، آج کسی کو اپنا حق نہیں مل رہا ہے، جبکہ حضورِ اقدس ﷺ کا طریقہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے فرائض سے باخبر فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ فریضہ ہے، لہٰذا تم اپنے اس

(۱) سنن ابن ماجه ٩٣/٤ (٢٤٤٣) وقال البوصيري في مصباح الزجاجة ٧٥/٣: هذا إسناد ضعيف، وهب بن سعيد هو عبد الوهاب بن سعيد، وعبد الرحمن بن زيد، وهما ضعيفان، لكن نقل عبد العظيم المنذري الحافظ في كتاب الترغيب: أن عبد الرحمن بن زيد وُثِق، وقال: قال ابن عدي: أحاديثه حسان، قال: وهو ممن احتمله الناس، وصدقه بعضهم، وهو ممن يكتب حديثه، قال: ووهب ابن سعيد وثقه ابن حبان وغيره انتهى، فعلى هذا يكون الإسناد حسنا والله أعلم، وأصله في صحيح البخاري وغيره من حديث أبي هريرة.

فریضے کو ادا کرو۔ صرف یہی طریقہ ہے جو معاشرے کو اصلاح کی طرف لاسکتا ہے۔

خلاصہ

بہرحال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ حلیم اور بردبار کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کی نافرمانیاں اور ان کے کفر وشرک کو دیکھ رہے ہیں، لیکن پھر بھی صبر کرتے ہیں اور ان کو عافیت اور رزق دیتے ہیں۔ لہٰذا تم بھی اللہ تعالیٰ کے اس اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

چوتھا سبب

(اصلاحی خطبات ۱۵ / ۲۶۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

چوتھا سبب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

اختلافات کا ایک اور سبب

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے۔ ہمارے خاندانوں میں جو اختلافات اور جھگڑے پھیلے ہوئے ہیں ان کی

ایک بہت بڑی وجہ شریعت کے ایک اور حکم کا لحاظ نہ رکھنا ہے۔ شریعت کا وہ حکم یہ ہے کہ "تعاشروا کالاخوان، تعاملوا کالاجانب" تم آپس میں تو بھائیوں کی طرح رہو اور ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرو، اخوت اور محبت کا برتاؤ کرو، لیکن جب لین دین کے معاملات پیش آئیں اور خرید و فروخت اور کاروباری معاملات آپس میں پیش آئیں تو اس وقت اجنبیوں کی طرح معاملہ کرو، اور معاملہ بالکل صاف ہونا چاہیے، اس میں کوئی اجمال، ابہام اور پیچیدگی نہ ہو، بلکہ جو بات ہو، وہ صاف ہو۔ یہ شریعت کی بڑی زبردست تعلیم ہے۔

ملکیت ممتاز ہونی چاہیے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ مسلمانوں کی ایک ایک بات واضح اور صاف ہونی چاہیے[1]۔ ملکیتیں الگ الگ ہونی چاہئیں، اور کون سی چیز کس کی ملکیت ہے، یہ واضح ہونا چاہیے۔ شریعت کے اس حکم کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ فسادات اور جھگڑوں سے بھرا ہوا ہے۔

باپ بیٹے کا مشترکہ کاروبار

مثلاً ایک کاروبار باپ نے شروع کیا، اب بیٹوں نے بھی اس کاروبار میں کام شروع کردیا، اب یہ متعین نہیں ہے کہ بیٹا جو باپ کے کاروبار میں کام کررہا

(۱) نوادر الاصول للحکیم الترمذی ۱۱۷/۷ (۱۶۰۱) ضمن حدیث طویل۔ وقال العزیزی فی "السراج المنیر" ۲۳/۲ حدیث ضعیف۔

ہے وہ بحیثیتِ پارٹنر اور شریک کام کر رہا ہے، یا ویسے ہی باپ کی مدد کر رہا ہے، یا بیٹا بحیثیتِ ملازم باپ کے ساتھ کام کر رہا ہے اور اس کی تنخواہ مقرر ہے۔ ان میں سے کوئی بات طے نہیں ہوئی اور معاملہ اندھیرے میں ہے۔ اب دن رات باپ بیٹے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، باپ کو جتنے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ کاروبار میں سے اتنے پیسے نکال لیتا ہے اور جب بیٹے کو ضرورت ہوتی ہے وہ نکال لیتا ہے، اب اسی طرح کام کرتے ہوئے سالہا سال گزر گئے اور رفتہ رفتہ دوسرے بیٹے بھی اس کاروبار میں آ کر شامل ہوتے رہے، اب کوئی بیٹا پہلے آیا کوئی بعد میں آیا کسی بیٹے نے زیادہ کام کیا اور کسی بیٹے نے کم کام کیا۔

اب حساب کتاب آپس میں کچھ نہیں رکھا، بس جس کو جتنی رقم کی ضرورت ہوتی وہ اتنی رقم کاروبار میں سے نکال لیتا اور یہ بھی متعین نہیں کیا کہ اس کاروبار کا مالک کون ہے اور اس کی کتنی ملکیت ہے؟ اور نہ یہ معلوم کہ کاروبار میں کس کا کتنا حصہ ہے؟ نہ یہ معلوم کہ کس کی تنخواہ کتنی ہے؟ اب اگر دوسرا ان سے کہے کہ آپس میں حساب و کتاب رکھو تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ بھائیوں کے درمیان کیا حساب و کتاب، باپ بیٹے میں کیا حساب و کتاب، یہ تو دوئی کی اور عیب کی بات ہے کہ باپ بیٹے یا بھائی بھائی آپس میں حساب و کتاب کریں، ایک طرف ایسی محبت کا اظہار ہے۔

بعد میں جھگڑے کھڑے ہوگئے

لیکن جب دس بارہ سال گزر گئے، شادیاں ہوگئیں، بچے ہوگئے، یا باپ جنہوں نے کاروبار شروع کیا تھا دنیا سے چل بسے تو اب بھائیوں کے درمیان

لڑائی جھگڑے کھڑے ہوگئے اور اب ساری محبت ختم ہوگئی اور ایک دوسرے پر الزام عائد کرنے شروع کردیے کہ اس نے زیادہ لے لیا، میں نے کم لیا، فلاں بھائی زیادہ کھا گیا، میں نے کم کھایا، اب یہ جھگڑے ایسے شروع ہوئے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتے اور ایسے پیچیدہ ہوگئے کہ اصل حقیقت کا پتہ ہی نہیں چلتا، آخر میں جب معاملہ تناؤ پر آ گیا اور ایک دوسرے سے بات چیت کرنے اور شکل وصورت دیکھنے کے بھی روادار نہیں رہے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے، تو آخر میں مفتی صاحب کے پاس آ گئے کہ اب آپ مسئلہ بتائیں کہ کیا کریں؟ اب مفتی صاحب مصیبت میں پھنس گئے۔ بھائی! جب کاروبار شروع کیا تھا اس وقت تو ایک دن بھی بیٹھ کر یہ نہیں سوچا کہ تم کس حیثیت میں کاروبار کررہے ہو؟ اب جب معاملہ الجھ گیا تو مفتی بیچارہ کیا بتائے کہ کیا کرو۔

معاملات صاف ہوں

یہ سارے جھگڑے اس لیے کھڑے ہوئے کہ شریعت کے اس حکم پر عمل نہیں کیا کہ معاملات صاف ہونے چاہئیں۔ چاہے کاروبار باپ بیٹے کے درمیان ہو یا بھائی بھائی کے درمیان ہو یا شوہر اور بیوی کے درمیان ہو، لیکن ہر ایک کی ملکیت دوسرے سے ممتاز ہونی چاہیے، کس کا کتنا حق ہے؟ وہ معلوم ہونا چاہیے۔ یاد رکھئے! بغیر حساب وکتاب کے جو زندگی گزر رہی ہے وہ گناہ کی زندگی گزر رہی ہے، اس لیے کہ یہ معلوم ہی نہیں کہ جو کھا رہے ہو وہ اپنا حق کھا رہے ہو یا دوسرے کا حق کھا رہے ہو۔

میراث فوراً تقسیم کردو

شریعت کا حکم یہ ہے کہ جونہی کسی کا انتقال ہوجائے، فوراً اس کی میراث تقسیم کرو، اور شریعت نے جس کا جتنا حق رکھا ہے وہ ادا کرو۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعزیت کے لیے تشریف لائے، ابھی تدفین نہیں ہوئی تھی، جنازہ رکھا ہوا تھا، اس وقت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت ناساز تھی، کمزوری تھی، اور ساتھ میں حضرت والد صاحب کی وفات کے صدمے کا بھی طبیعت پر بڑا اثر تھا، حضرت والد صاحب کا خمیرہ رکھا ہوا تھا ہم وہ خمیرہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گئے کہ حضرت تھوڑا سا کھالیں تاکہ کمزوری دور ہوجائے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خمیرہ ہاتھ میں لینے سے پہلے فرمایا کہ بھائی! اب اس خمیرہ کا کھانا میرے لیے جائز نہیں، کیونکہ یہ خمیرہ اب ورثاء کی ملکیت ہوگیا اور جب تک سارے ورثاء اجازت نہ دیں اس وقت تک میرے لیے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت! سارے ورثاء بالغ ہیں اور سب یہاں موجود ہیں، اور سب بخوشی اجازت دے رہے ہیں لہٰذا آپ تناول فرمالیں، تب جاکر آپ نے وہ خمیرہ تناول فرمایا۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ نے میراث تقسیم کرنے کی تاکید فرمائی کہ کسی کے انتقال پر فوراً اس کی میراث وارثین کے درمیان تقسیم کرو تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔

میراث جلد تقسیم نہ کرنے کا نتیجہ

لیکن آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی

کے مرنے پر اس کے وارثین سے یہ کہا جائے کہ بھائی میراث تقسیم کرو، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ توبہ، توبہ، ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کر دی۔ چنانچہ میراث کی تقسیم کو دنیاوی کام قرار دے کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اب ایک طرف تو اتنا تقویٰ ہے کہ یہ کہہ دیا کہ ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا، اس لیے مال و دولت کی بات ہی نہ کرو، اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ جب میراث تقسیم نہیں ہوئی اور مشترکہ طور پر استعمال کرتے رہے تو سال کے بعد وہی لوگ جو مال و دولت کی تقسیم سے بہت اعراض برت رہے تھے، وہی لوگ اسی مال و دولت کے لیے ایک دوسرے کا خون پینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگتے ہیں کہ فلاں زیادہ کھا گیا، فلاں نے کم کھایا۔

گھر کے سامان میں ملکیتوں کا امتیاز

لہٰذا شریعت نے میراث کی تقسیم کا فوری حکم اس لیے دیا تاکہ ملکیتیں ممتاز ہو جائیں اور ہر شخص کی ملکیت واضح ہو کہ کون سی چیز کس کی ملکیت ہے۔ آج ہمارے معاشرے کا یہ حال ہے کہ میاں بیوی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ گھر کا کون سا سامان میاں کا ہے اور کون سا بیوی کا ہے، زیور میاں کا ہے یا بیوی کا ہے، جس گھر میں مقیم ہیں، اس کا مالک کون ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعد میں جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آ گئی، آخر زمانے میں وفات سے کچھ

عرصہ پہلے بیمار تھے، اور بستر پر تھے اور اپنے کمرے ہی کے اندر محدود ہو کر رہ گئے تھے اس کمرے میں ایک چارپائی ہوتی تھی اسی چارپائی پر سارے کام انجام دیتے تھے، والد صاحب کے کمرے کے برابر میں میرا ایک چھوٹا سا کمرہ ہوتا تھا، میں اس میں بیٹھا رہتا تھا۔ کھانے کے وقت جب والد صاحب کے لیے ٹرے میں کھانا لایا جاتا تو آپ کھانا تناول فرماتے اور کھانے کے بعد فرماتے کہ یہ برتن جلدی سے واپس اندر لے جاؤ، یا مدرسہ سے کوئی کتاب یا کوئی چیز منگوائی تو فارغ ہوتے ہی فرماتے کہ اس کو جلدی سے واپس کردو، یہاں مت رکھو۔ بعض اوقات ہمیں وہ برتن یا کتاب وغیرہ واپس لے جانے میں تاخیر ہوجاتی تو ناراضگی کا اظہار فرماتے کہ دیر کیوں کی، جلدی لے جاؤ۔

ہمارے دل میں بعض اوقات یہ خیال آتا کہ والد صاحب برتن اور کتاب واپس کرنے میں بہت جلدی کرتے ہیں، اگر پانچ سات منٹ تاخیر ہوگئی تو کونسی قیامت آجائے گی، اس دن یہ عقدہ کھلا جب آپ نے ایک دن ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے وصیت نامے میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ یہ میرا کمرہ جس میں میری چارپائی ہے، اس کمرے کے اندر جو اشیاء ہیں، صرف یہ اشیاء میری ملکیت ہیں اور گھر کی باقی سب اشیاء میں اپنی اہلیہ کی ملکیت کرچکا ہوں۔ اب اگر میرا انتقال اس حالت میں ہوجائے کہ میرے کمرے میں باہر کی کوئی چیز پڑی ہوئی ہو تو اس وصیت نامہ کے مطابق لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ میری ملکیت ہے، اور پھر اس چیز کے ساتھ میری ملکیت جیسا معاملہ کریں گے۔ اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اس کمرے میں کوئی باہر کی چیز دیر تک پڑی نہ رہے، جو چیز بھی آئے وہ جلدی واپس چلی جائے۔

بہر حال! ملکیت واضح کرنے کا اس درجہ اہتمام تھا کہ بیٹوں کی ملکیت سے، بیوی کی ملکیت سے، ملنے جلنے والوں کی ملکیت سے بھی اپنی ملکیت ممتاز تھی، الحمدللہ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔

بھائیوں کے درمیان بھی حساب صاف ہو

لہٰذا شریعت نے ہمیں یہ حکم دیا کہ اپنی ملکیت واضح ہونی چاہیے۔ جب یہ مسئلہ ہم اپنے ملنے جلنے والوں کو بتاتے ہیں کہ بھائی! اپنا حساب کتاب صاف کرلو اور بات واضح کرلو، تو جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حساب کتاب کرنا دوئی اور غیریت کی بات ہے، لیکن چند ہی سالوں کے بعد یہ ہوتا ہے کہ وہی لوگ جو اس وقت اپنائیت کا مظاہرہ کررہے تھے، ایک دوسرے کے خلاف تلوار لے کر کھڑے ہوجاتے ہیں لہٰذا آپس کے اختلافات اور جھگڑوں کا ایک بہت بڑا سبب ملکیتوں کو صاف نہ رکھنا ہے۔

مکان کی تعمیر اور حساب کی صفائی

یا مثلاً ایک مکان تعمیر ہورہا ہے، اس ایک مکان میں کچھ پیسے باپ نے لگائے، کچھ پیسے ایک بیٹے نے لگائے، کچھ پیسے دوسرے بیٹے نے لگائے، کچھ پیسے کہیں سے قرض لے لیے اور اس طرح وہ مکان تعمیر ہوگیا اس وقت آپس میں کچھ طے نہیں کیا کہ بیٹے اس تعمیر میں جو پیسے لگارہے ہیں وہ قرض کے طور پر لگارہے ہیں؟ یا باپ کی مدد کررہے ہیں؟ یا وہ بیٹے اس مکان میں اپنا حصہ لگا کر پارٹنر بنانا چاہتے ہیں؟ اس کا کچھ پتہ نہیں، اور پیسے سب کے لگ رہے ہیں، لیکن کوئی بات واضح نہیں ہے۔ جب ان میں سے ایک کا انتقال ہوا تو اب جھگڑا کھڑا

ہوگیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ ایک کہتا ہے کہ میں نے اس مکان میں اتنے پیسے لگائے ہیں، دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اتنے پیسے لگائے ہیں، تیسرا کہتا ہے کہ زمین تو میں نے خریدی تھی، اور اس جھگڑے کے نتیجے میں ایک فساد برپا ہوگیا۔ اس وقت فیصلے کے لیے مفتی کے پاس پہنچتے ہیں کہ اب آپ بتائیں کہ اس کا کیا حل ہے؟ ایسے وقت میں فیصلہ کرتے وقت بعض اوقات نا انصافی ہوجاتی ہے۔

لہٰذا یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر باپ کے کاروبار میں بیٹا کام کررہا ہے اور بات واضح ہوئی نہیں کہ وہ بیٹا کس حیثیت میں کام کررہاہے؟ آیا وہ باپ کا شریک ہے یا باپ کا ملازم ہے، تو اگر بیٹا ساری عمر بھی اس طرح کام کرتا رہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے للہ فی اللہ باپ کی مدد کی ہے، کاروبار میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا پہلے سے بات واضح کرنی چاہیے۔

دوسرے کو مکان دینے کا صحیح طریقہ

اور اگر وضاحت کرتے ہوئے تقسیم کا معاملہ کرنا ہے تو تقسیم کرنے کے لیے بھی شریعت نے طریقہ بتایا ہے کہ تقسیم کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ محض یہ کہہ دینے سے نہیں ہوتا کہ میں نے تو اپنا مکان بیوی کے نام کردیا تھا، یعنی اس کے نام مکان رجسٹری کرادیا تھا، اب رجسٹری کرادینے سے وہ یہ سمجھے کہ وہ مکان بیوی کے نام ہوگیا، حالانکہ شرعی اعتبار سے مکان کسی کے نام رجسٹری کرانے سے اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا، جب تک اس پر اس کا قبضہ نہ کرادیا جائے، اور اس سے یہ نہ کہا جائے کہ میں نے یہ مکان تمہاری ملکیت کردیا، اب تم اس کے مالک ہو۔ اس کے بغیر دوسرے کی ملکیت اس پر نہیں آتی۔

تمام مسائل کا حل، شریعت پر عمل

ان سارے مسائل کا آج لوگوں کو علم نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ الل ٹپ معاملہ چل رہا ہے اور اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں، فتنہ اور فساد پھیل رہا ہے، اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، آپس میں مقدمہ بازیاں چل رہی ہیں۔ اگر آج لوگ شریعت پر ٹھیک عمل کرلیں تو آدھے سے زیادہ مقدمات تو خود بخود ختم ہوجائیں۔

یہ خرابیاں اور جھگڑے تو ان لوگوں کے معاملات میں ہیں جن کی نیت خراب نہیں ہے، وہ لوگ جان بوجھ کر دوسروں کا مال دبانا نہیں چاہتے، البتہ جہالت کی وجہ سے انہوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑا کھڑا ہوگیا، لیکن جو لوگ بددیانت ہیں، جن کی نیت ہی خراب ہے، جو دوسروں کا مال ہڑپ کرنا چاہتے ہیں ان کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔

خلاصہ

بہرحال! یہ بہت بڑا فساد ہے جو آج ہمارے معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس مسئلے کو خود بھی اچھی طرح سمجھنا چاہیے اور اپنے تمام ملنے جلنے والوں اور اعزاء اور رشتہ داروں کو یہ مسئلہ بتانا چاہیے کہ ایک مرتبہ حساب صاف کرلیں اور پھر آپس میں محبت کے ساتھ معاملات کریں، لیکن حساب صاف ہونا چاہیے اور ہر بات واضح ہونی چاہیے، کوئی بات مجمل اور مبہم نہ رہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاندانی اختلافات اسباب اور ان کا حل

پانچواں سبب

اصلاحی خطبات ۱۱/۲۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانی اختلافات اسباب اور ان کا حل

پانچواں سبب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے، ان اسباب میں سے ایک سبب وہ ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ

نا اتفاقی کا ایک اور سبب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ(۱)

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حکم ارشاد فرمائے، پہلا حکم یہ دیا کہ اپنے کسی بھائی سے جھگڑا مت کرو۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ اس کے ساتھ نامناسب مذاق مت کرو۔ تیسرا حکم یہ دیا کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا وعدہ نہ کرو جس کو پورا نہ کرسکو، یعنی وعدہ خلافی نہ کرو۔

اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو

پہلا حکم یہ دیا کہ:

"لَاتُمَارِ أَخَاكَ"

اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو۔

یہ ہماری اردو زبان بہت تنگ زبان ہے، جب ہم عربی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہیں تو ہمارے پاس بہت محدود الفاظ ہوتے ہیں، اس لیے ہمیں اس تنگ دائرے میں رہ کر ہی ترجمہ کرنا پڑتا ہے، لہٰذا اس حدیث میں حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ "لَاتُمَارِ" ارشاد فرمایا، اس کے ترجمہ کے لیے

---

(۱) سنن الترمذی ۵۳۱/۳ (۱۹۹۵) وقال ہذا حدیث غریب۔

ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی لفظ نہیں ہے کہ ''جھگڑا نہ کرو''، لیکن عربی زبان میں یہ لفظ ''مِرَاءٌ'' سے نکلا ہے جو اس کا مصدر ہے، اور ''مِرَاءٌ'' کا لفظ بہت وسیع معنی رکھتا ہے، اس کے اندر ''بحث و مباحثہ کرنا''، ''مجادلہ کرنا''، جسمانی لڑائی لڑنا، زبانی تو تکار کرنا، یہ سب اس کے مفہوم کے اندر داخل ہیں، لہٰذا چاہے جسمانی جھگڑا ہو، یا زبانی جھگڑا ہو، یا بحث و مباحثہ ہو، یہ تینوں چیزیں مسلمانوں کے درمیان باہمی اتفاق و اتحاد، محبت اور ملاپ پیدا کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ لہٰذا حتیٰ الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ جھگڑا کرنے کی نوبت نہ آئے۔

ضرورۃً عدالت سے رجوع کرنا

ہاں! بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک موقع پر انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا حق پامال ہوگیا ہے، اگر وہ عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ نہیں کرے گا تو صحیح طور پر زندگی نہیں گزار سکے گا، اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی اور اس کے ساتھ ظلم ہوگا، تو اس ظلم اور زیادتی کی وجہ سے مجبوراً اس کو عدالت میں جانا پڑے تو یہ اور بات ہے، ورنہ حتیٰ الامکان جھگڑا چکاؤ، جھگڑے میں پڑنے سے پرہیز کرو۔

بحث و مباحثہ نہ کرو

یہ ہدایت خاص طور پر ان لوگوں کو دی جارہی ہے جو دوسروں کی ہر بات میں کجی نکالتے ہیں، اور دوسروں کی ہر بات کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ چیز ان کے مزاج کا ایک حصہ بن جاتی ہے کہ دوسرے سے ضرور بحث کرنی ہے، ذرا سی بات لے کر بیٹھ گئے، اور اس پر بحث و مباحثہ کا ایک محل تعمیر کرلیا۔

ہمارے معاشرے میں یہ جو فضول بحثوں کا رواج چل پڑا ہے، نہ ان کا دین سے کوئی تعلق، نہ دنیا سے کوئی تعلق، جن کے بارے میں نہ قبر میں سوال ہوگا، نہ حشر میں سوال ہوگا، نہ آخرت میں سوال ہوگا، لیکن ان کے بارے میں لمبی لمبی بحث ہورہی ہے، یہ سب فضول کام ہے، اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اور فرقے بن جاتے ہیں اور آپس میں منافرت بڑھتی ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ:

المِرَاءُ یَذْھَبُ بِنُورِ الْعِلْمِ [1]

یعنی یہ بحث ومباحثہ علم کے نور کو غارت کردیتا ہے، علم کا نور اس کے ساتھ موجود نہیں رہتا۔ بس جس بات کو تم حق سمجھتے ہو، اس کو حق طریقے سے اور حق نیت سے دوسرے کو بتادو کہ میرے نزدیک یہ حق ہے، اب دوسرا شخص اگر مانتا ہے تو مان لے، نہیں مانتا تو وہ جانے اس کا اللہ جانے، کیوں کہ تم داروغہ بنا کر اس کے اوپر نہیں بھیجے گئے کہ زبردستی اپنی بات اس سے منواؤ، جتنا تمہارے بس میں ہو اس کو حکمت سے، محبت سے، نرمی سے سمجھادو، اس سے زیادہ کے تم مکلف نہیں ہو، تم خدائی داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے کہ لوگوں کی اصلاح تمہارے ذمے فرض ہے، کہ اگر ان کی اصلاح نہیں ہوگی تو تم سے پوچھا جائے گا، ایسا نہیں ہے۔

تمہاری ذمہ داری بات پہنچادینا ہے

ارے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ

---

(۱) ترتیب المدارک وتقریب المسالک ۲/۳۹۔ طبع مطبعۃ فضالۃ۔ و"فتح الباری" ۱۳/۲۶۳

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (۱)

رسول پر صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، زبردستی کرنا انبیاء علیہم السلام کا کام نہیں، تو تم کیوں زبردستی کرتے ہو، لہٰذا ایک حد تک سوال و جواب کرو، اور جب یہ دیکھو کہ بات بحث و مباحثہ کے حدود میں داخل ہو رہی ہے اور سامنے والا شخص حق کو قبول کرنے والا نہیں ہے تو اس کے بعد خاموش ہو جاؤ اور بحث و مباحثہ کا دروازہ بند کر دو۔

شکوہ شکایت نہ کریں

بعض لوگوں کو ہر بات میں شکوہ اور شکایت کرنے کی عادت ہوتی ہے، جہاں کسی جاننے والے سے ملاقات ہوئی تو فوراً کوئی شکایت جڑ دیں گے کہ تم نے فلاں وقت یہ کیا تھا، تم نے فلاں وقت یہ نہیں کیا تھا، اور بسا اوقات یہ کام محبت کے نام پر کیا جاتا ہے، اور یہ جملہ ایسے لوگوں کو بہت یاد ہوتا ہے کہ "شکایت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے" جس سے محبت ہوتی ہے اس سے شکوہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بات تو درست ہے، لیکن اس شکایت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، جب کوئی اہم بات ہوئی تو اس پر شکوہ کر لیا، لیکن ذرا ذرا سی بات لے کر بیٹھ جانا کہ فلاں تقریب میں تم نے فلاں کو دعوت دی اور ہمیں دعوت نہیں دی۔ ارے بھائی! دعوت دینے والے کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ جس کو چاہے دعوت دے اور جس کو چاہے دعوت نہ دے، تمہارے پاس شکایت کرنے کا کیا جواز ہے کہ تم یہ کہو کہ ہمیں دعوت میں کیوں نہیں بلایا تھا؟ بھائی تمہیں اس لیے نہیں

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (۹۹)۔

بلایا تھا کہ تمہیں بلانے کا دل نہیں چاہا، اس وقت تمہیں بلانے کے حالات نہیں تھے، لیکن تم اس شکایت کو لیے بیٹھے ہو۔ آج ہم لوگ ذرا ذرا سی بات پر دوسرے کی شکایت کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں، اس کے نتیجے میں سامنے والے اس سے شکایت کرتے ہیں کہ فلاں موقع پر تم نے بھی ہمیں نہیں بلایا تھا، چنانچہ شکوہ اور جواب شکوہ کا ایک سلسلہ چل پڑتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلوں میں محبت پیدا ہونے کے بجائے عداوت پیدا ہورہی ہے اور آپس میں نفرت پیدا ہورہی ہے۔

اس کے عمل کی تاویل کرلو

آج میں تجربہ کی بات کہہ رہا ہوں کہ اس کے نتیجے میں گھرانے کے گھرانے اجڑ گئے، ذرا ذرا سی بات لیے بیٹھے ہیں۔ ارے بھائی! اگر کسی سے غلطی ہوگئی ہے تو اس کو معاف کردو اور اس کو اللہ کے حوالے کردو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کرنے کی کتنی تلقین فرمائی ہے، لہٰذا اگر تم معاف کردوگے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا، تمہارا کیا نقصان ہوجائے گا، کون سا پہاڑ تم پر ٹوٹ پڑے گا، کونسی قیامت تم پر آجائے گی؟ لہٰذا چشم پوشی کرجاؤ اور اس کے عمل کی کوئی تاویل تلاش کرلو کہ شاید اس وجہ سے دعوت نہیں دی ہوگی وغیرہ۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے، جن کے فتاویٰ کا مجموعہ

"فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" کے نام سے دس جلدوں میں چھپ گیا ہے، جس میں علوم کے دریا بہادیے، یہ عجیب وغریب بزرگ تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان کو ہمیشہ اس طرح دیکھا کہ کبھی کسی آدمی کی منہ پر تردید نہیں کرتے تھے کہ تم نے یہ بات غلط کہی، بلکہ اگر کسی نے غلط بات بھی کہہ دی تو آپ سن کر فرماتے کہ اچھا گویا کہ آپ کا مطلب یہ ہوگا، اس طرح اس کی تاویل کرکے اس کا صحیح مطلب اس کے سامنے بیان کردیتے۔ اس کے ذریعے اس کو تنبیہ بھی فرمادیتے کہ تم نے جو بات کہی ہے وہ صحیح نہیں ہے، لیکن اگر یہ بات اس طرح کہی جائے تو صحیح ہوجائے گی۔ ساری عمر کبھی کسی کے منہ پر تردید نہیں فرمائی۔

اپنا دل صاف کرلو

اس لیے اگر تمہارا کوئی مسلمان بھائی ہے، دوست ہے، یا عزیز وقریب ہے، یا رشتہ دار ہے، اگر اس سے کوئی غلط معاملہ سرزد ہوا ہے تو تم بھی اس کی کوئی تاویل تلاش کرلو کہ شاید فلاں مجبوری پیدا ہوگئی ہوگی، تاویل کرکے اپنا دل صاف کرلو۔ اور اگر شکایت کرنی ہی ہے تو نرم لفظوں میں اس سے شکایت کرلو کہ فلاں وقت تمہاری بات مجھے ناگوار گزری، اگر کوئی وضاحت پیش کرے تو اس کو قبول کرلو، یہ نہ کرو کہ اس شکایت کو لے کر بیٹھ جاؤ اور اس کی بنیاد پر جھگڑا کھڑا کردو۔ اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لَا تمارِ أَخاكَ" اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو۔

یہ دنیا چند روزہ ہے

میاں! یہ دنیا کتنے دن کی ہے، چند دن کی دنیا ہے، کتنے دن کی گارنٹی لے کر آئے کہ اتنے دن زندہ رہوگے، اور عام طور پر شکایتیں دنیا کی باتوں پر ہوتی ہیں کہ فلاں نے مجھے دعوت میں نہیں بلایا، فلاں نے میری عزت نہیں کی، فلاں نے میرا احترام نہیں کیا، یہ سب دنیا کی باتیں ہیں۔ یہ دنیا کا مال و دولت، دنیا کے اسباب، دنیا کی وجاہت، دنیا کی شہرت، دنیا کا منصب، ان سب کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ جانے کب فنا ہوجائیں، کب یہ چیزیں چھن جائیں۔ اس کے بجائے وہاں کے بارے میں سوچو جہاں ہمیشہ رہنا ہے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی گزارنی ہے، وہاں کیا حال ہوگا؟ وہاں کس طرح زندگی بسر کروگے؟ وہاں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دوگے؟ اس کی فکر کرو اور فرمایا گیا:

اعمَلْ لِلدُّنْيَا بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيهَا , وَلِلْآخِرَةِ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيهَا[1]

یعنی دنیا کے لیے اتنا کام کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔

یاد رکھئے! یہ مال و دولت، یہ شہرت، یہ عزت، سب آنی جانی چیزیں ہیں، آج ہیں کل نہیں رہیں گی۔

کل کیا تھے، آج کیا ہوگئے

وہ لوگ جن کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا، جن کا طوطی بول رہا تھا، جن کا اقتدار

---

(۱) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۵٦/۷ طبع دار الفکر۔

تھا، جن کے نام سے لوگ لرزتے تھے، آج جیل خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں، اور جن لوگوں کے ناموں کے ساتھ عزت وشرف کے القاب لگائے جاتے تھے، آج ان پر جرائم کی فہرستوں کے انبار لگے ہوئے ہیں کہ انہوں نے چوری کی، انہوں نے ڈاکہ ڈالا، انہوں نے رشوت لی، انہوں نے خیانت کی۔ ارے کس عزت پر، کس شہرت پر، کس پیسے پر لڑتے ہو، نہ جانے کس دن اور کس وقت اللہ تعالیٰ یہ چیزیں تم سے چھین لے، ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر تم نے جھگڑے کھڑے کیے ہوئے ہیں، ان باتوں پر تم نے خاندان اجاڑے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَاتـمَـارِ أَخَاكَ

اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو۔

کون سا مذاق جائز ہے؟

اس حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا حکم یہ دیا کہ:

وَلَاتمازِحْهُ

اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ دل لگی اور مذاق نہ کرو۔

اس حدیث میں ''مذاق'' سے مراد وہ مذاق ہے جو دوسرے کی گرانی کا سبب ہو، اگر ایسا مذاق ہے جو حدودِ شریعت کے اندر ہے اور خوش طبعی کے لیے کیا جارہا ہے، سننے والے کو بھی اس سے کوئی گرانی نہیں ہے تو ایسے مذاق میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اگر وہ مذاق حق ہے اور اس مذاق میں دوسرے کو خوش کرنے کی نیت ہے تو اس پر ثواب بھی ملے گا۔

مذاق اڑانا اور دل لگی کرنا جائز نہیں

ایک ہوتا ہے مذاق کرنا، ایک ہوتا ہے مذاق اڑانا، مذاق کرنا تو درست ہے، لیکن کسی کا مذاق اڑانا کہ اس کے ذریعہ اس کا استہزاء کیا جائے اور اس کے ساتھ ایسا مذاق اور ایسی دل لگی کی جائے جو اس کے لیے ناگوار ہو اور اس کی دل شکنی کا سبب ہو، ایسا مذاق حرام اور ناجائز ہے۔ بعض لوگ دوسرے کی چڑ بنالیتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ جب اس کے سامنے یہ بات کریں گے تو وہ غصہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں ہم ذرا مزہ لیں گے، یہ وہ مذاق ہے جس کو حضورِ اقدس ﷺ منع فرمارہے ہیں۔ اتنا مذاق کرو جس کو دوسرا آدمی برداشت کرسکے، اب آپ نے دوسرے کے ساتھ اتنا مذاق کیا کہ اس کے نتیجے میں اس کو زچ کردیا، اب وہ اپنے دل میں تنگی محسوس کررہا ہے، تو یاد رکھیے! اگرچہ اس مذاق کے نتیجے میں دنیا میں تمہیں تھوڑا بہت مزہ آرہا ہے، لیکن آخرت میں اس کا عذاب بڑا شدید ہے۔ العیاذ باللہ۔ کیوں کہ اس کے ذریعہ تم نے ایک مسلمان کا دل دکھایا اور مسلمان کا دل دکھانا بڑا سخت گناہ ہے۔

انسان کی عزت ''بیت اللہ'' سے زیادہ

ابن ماجہ(۱) میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ بیت اللہ شریف کا طواف فرمارہے تھے، طواف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

(۱) سنن ابن ماجہ ۴۲۹/۵ (۳۹۳۲) وسنن الترمذی ۵۵٤/۳ (۲۰۳۲) وقال ھذا حدیث حسن

''اے بیت اللہ! تو کتنا عظیم ہے، تیری قدر و منزلت کتنی عظیم ہے کہ اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا گھر قرار دیا، تیری حرمت کتنی عظیم ہے، لیکن اے بیت اللہ! ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو۔''

اگر کوئی شخص ایسا سنگدل اور شقی القلب ہو کہ وہ بیت اللہ کو ڈھا دے ۔العیاذ باللہ۔ تو ساری دنیا اس کو برا کہے گی کہ اس نے اللہ کے گھر کی کتنی بے حرمتی کی ہے، مگر سرکار دوعالم ﷺ فرمارہے ہیں کہ اگر کسی نے کسی مسلمان کی جان، مال، آبرو پر حملہ کردیا، یا اس کا دل دکھادیا تو بیت اللہ کو ڈھانے سے زیادہ سنگین گناہ ہے، لیکن تم نے اس کو معمولی سمجھا ہوا ہے اور تم دوسرے کا مذاق اڑا رہے ہو، اور اس کی وجہ سے اس کا دل دکھا رہے ہو اور تم مزے لے رہے ہو؟ ارے یہ تم بیت اللہ کو ڈھا رہے ہو، اس کی حرمت کو پامال کررہے ہو۔ لہٰذا کسی کو مذاق کا نشانہ بنالینا اور اس کا استہزاء کرنا حرام ہے۔

ایسا مذاق دل میں نفرت پیدا کرتا ہے

اور یہ مذاق بھی ان چیزوں میں سے ہے جو دلوں کے اندر گرہیں ڈالنے والی ہیں اور دلوں کے اندر عداوتیں اور نفرتیں پیدا کردیتی ہیں۔ اگر دوسرا تمہارے بارے میں یہ محسوس کرے کہ یہ میرا مذاق اڑاتا ہے، میری توہین کرتا ہے، تو بتاؤ کیا کبھی اس کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہوگی؟ کبھی بھی محبت پیدا نہیں ہوگی، بلکہ اس کے دل میں تمہاری طرف سے نفرت پیدا ہوگی کہ یہ آدمی میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے اور پھر اس نفرت کے نتیجے میں آپس میں جھگڑا

اور فساد پھیلے گا۔ البتہ اگر دوست واحباب یا عزیز و اقارب آپس میں ایسا مذاق کررہے ہیں جس میں کسی کی دل آزاری نہیں ہے، جس میں جھوٹ نہیں ہے، تو شرعاً ایسے مذاق کی اجازت ہے، شریعت نے ایسے مذاق پر پابندی نہیں لگائی۔

وعدہ کو پورا کرو

اس حدیث میں تیسرا حکم یہ دیا کہ

وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ

یعنی کوئی ایسا وعدہ نہ کرو جس کو تم پورا نہ کرسکو۔

بلکہ جس سے جو وعدہ کیا ہے اس وعدہ کو پورا کرو، اس وعدہ کا ایفا کرو، وعدہ کرکے پورا نہ کرنے کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامت قرار دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ"(۱)

منافق کی تین علامتیں

تین باتیں جس شخص میں پائی جائیں، وہ خالص منافق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس امانت میں خیانت کرے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ کی خلاف ورزی کرے۔ یہ تین باتیں جس شخص میں پائی جائیں، وہ پکا منافق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وعدہ کی خلاف ورزی نفاق کی علامت ہے، لہٰذا اگر تمہیں بھروسہ نہ ہو کہ میں وعدہ پورا

---

(۱) سنن النسائی ۱۱۷/۸ (۵۰۲۳) وصحیح البخاری ۱۶/۱ (۳۳)۔

کر سکوں گا، تو وعدہ مت کرو، لیکن جب ایک مرتبہ وعدہ کرلو تو جب تک کوئی عذر شدید پیش نہ آجائے اس وقت تک اس کی پابندی لازم ہے۔

بچوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ بچوں سے بھی جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابیہ نے ایک بچے کو بلاتے ہوئے کہا کہ میرے پاس آؤ، ہم تمہیں چیز دیں گے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا واقعی اس کو کچھ دینے کا ارادہ تھا یا ویسے ہی اس کو بہلانے کے لیے کہہ دیا، ان صحابیہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس کھجور ہے وہ دینے کا ارادہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ویسے ہی وعدہ کرلیتی اور کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا تو تمہیں اس بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے کا گناہ ہوتا[1] اور بچے کے ساتھ وعدہ خلاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے بچے کو شروع سے یہ تعلیم دے دی کہ وعدہ خلافی کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، اور تم نے پہلے دن سے ہی اس کی تربیت خراب کردی۔ لہٰذا بچوں کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کرنی چاہیے، بچوں کے ساتھ جو بھی وعدہ کیا ہے، اس کو پورا کرو۔

اور بعض وعدہ خلافیاں تو ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فلاں کے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے، مجھے اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے، لیکن بعض وعدہ خلافیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی طرف ہم لوگوں کا دھیان ہی نہیں جاتا کہ وہ بھی کوئی وعدہ خلافی ہے۔

---

(۱) مسند احمد ٢٤/٤٧٠ (١٥٧٠٢) وسنن ابی داود ٤/٢٩٨ (٤٩٩١) والحديث سكت عنه أبو داود، وقال المنذري في "مختصره" ٤/٤٢٥(٤٨٣٦): مولى عبدالله مجهول۔

اصول اور ضوابط کی پابندی نہ کرنا وعدہ خلافی ہے

مثلاً ہر ادارے کے اپنے کچھ قواعد وضوابط ہوتے ہیں، چنانچہ جب ہم کسی ادارے میں ملازمت اختیار کرتے ہیں تو اس ادارے کے ساتھ منسلک ہوتے وقت ہم عملاً یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اس ادارے کے قواعد وضوابط کی پابندی کریں گے۔ یا مثلاً آپ نے پڑھنے کے لیے دار العلوم میں داخلہ لے لیا، تو داخلہ لیتے وقت طالبعلم سے ایک تحریری وعدہ بھی لیا جاتا ہے کہ میں یہ یہ کام نہیں کروں گا اور یہ یہ کام کروں گا اور اگر کسی طالبعلم سے تحریری وعدہ نہ بھی لیا جائے تب بھی داخل ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ یہ اقرار کر رہا ہے کہ دار العلوم کے جو قواعد و ضوابط ہیں میں ان کی پابندی کروں گا، اب اگر کوئی طالب علم ان قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرے گا تو یہ اس وعدہ کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ عمل ناجائز اور گناہ ہوگا۔

جو قوانین شریعت کے خلاف نہ ہوں ان کی پابندی لازم ہے

اسی طرح جو آدمی کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ شخص عملاً اس ملک کے ساتھ یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا تاوقتیکہ کوئی قانون مجھے کسی خلاف شرع امر پر مجبور نہ کرے۔ اگر کوئی قانون ایسا ہے جو شریعت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرتا ہے تو اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ [1]

یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کرو۔

---

(۱) مسند احمد ۵۸/۳۳ (۱۹۸۲٤) والمستدرک للحاکم ۵۰۱/۳ (۵۸۷۰) صححہ الحاکم والذہبی۔

اگر کسی کام سے شریعت تمہیں روک دے تو پھر اس کام کے کرنے کو خواہ کوئی بادشاہ کہے، یا کوئی صدر یا وزیراعظم کہے، یا کوئی قانون اس کام کا حکم دے، لیکن تم اس حکم کے ماننے کے پابند نہیں ہو، بلکہ تم اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے پابند ہو۔

قوانین کی خلاف ورزی وعدہ خلافی ہے

لہٰذا اگر کوئی آپ کو گناہ پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ مباحات سے متعلق کوئی قانون بنا ہوا ہے تو اس صورت میں ہر شہری چاہے وہ مسلمان ہو، یا غیر مسلم ہو، اپنی حکومت سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں قوانین کی پابندی کروں گا، اب اگر کوئی شخص بلا عذر قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ بھی وعدہ خلافی میں داخل ہے۔

ٹریفک کے قوانین کی پابندی کریں

مثلاً ٹریفک کے قوانین ہیں کہ جب سرخ بتی جلے تو رک جاؤ اور جب سبز بتی جلے تو چل پڑو۔ اس قانون کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے، اس لیے کہ تم نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا۔ اگر تم اس قانون کو روندتے ہوئے گزر جاتے ہو تو اس صورت میں وعدہ خلافی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہو اور عہد شکنی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہو، چاہے وہ مسلم ملک ہو یا غیر مسلم ملک ہو۔

بے روزگاری الاؤنس وصول کرنا

برطانیہ کی حکومت ایک بیروزگاری الاؤنس جاری کرتی ہے، یعنی جو لوگ بیروزگار ہوتے ہیں ان کو ایک الاؤنس دیا جاتا ہے، گویا کہ روزگار ملنے تک

حکومت ان کی کفالت کرتی ہے۔ یہ ایک اچھا طریقہ ہے، لیکن ہمارے بعض بھائی جو یہاں سے وہاں گئے ہیں انہوں نے اس بیروزگاری کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے، اب ایسے لوگ رات کو چوری چھپے نوکری کر لیتے ہیں اور ساتھ میں بیروزگاری الاؤنس بھی وصول کرتے ہیں، اچھے خاصے نمازی اور دیندار لوگ یہ دھندا کر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے مجھ سے اس کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو میں نے بتایا کہ یہ عمل تو بالکل ناجائز اور گناہ ہے، اوّل تو یہ جھوٹ ہے کہ بیروزگار نہیں ہو لیکن اپنے کو بیروزگار ظاہر کر رہے ہو، دوسری یہ کہ تم حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہو، کیونکہ جب تم اس ملک میں داخل ہو گئے تو اب اس ملک کے جائز قانون کی پابندی لازم ہے۔ ان صاحب نے جواب میں کہا کہ یہ تو غیر مسلم حکومت ہے اور غیر مسلم حکومت کا پیسہ جس طرح بھی حاصل ہو، اس کو لے کر خرچ کرنا جائز ہے۔ العیاذ باللہ۔ ارے بھائی! جب تم اس ملک میں داخل ہوئے تھے اس وقت تم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، لہٰذا اب اس ملک کے قانون کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں اور جس طرح مسلمان کے ساتھ خلاف ورزی جائز نہیں، کافروں کے ساتھ بھی وعدہ خلافی جائز نہیں، اور اس خلاف ورزی کے نتیجے میں جو پیسہ حاصل ہو گا وہ بھی ناجائز اور حرام ہو گا۔

خلاصہ

بہر حال! جھگڑے کا ایک بہت بڑا سبب یہ وعدہ خلافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

خاندانی اختلافات کے اسباب اور ان کا حل

چھٹا سبب

اصلاحی خطبات (۱۱/۳۰۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانی اختلافات اور ان کا حل

چھٹا سبب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ چند ہفتوں سے خاندانی اختلافات کے مختلف اسباب کا بیان چل رہا ہے، ان اسباب میں سے ایک سبب وہ ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ:

یہ بڑی خیانت ہے

حضرت سفیان بن اُسید حضرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ، وَأَنْتَ لَهُ بِهِ كَاذِبٌ(۱)

یہ بڑی ہی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی کو کوئی ایسی بات سناؤ جس کو وہ سمجھ رہا ہو کہ تم اس کو سچی بات بتارہے ہو لیکن حقیقت میں تم اس کے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔

یہ وہ عمل ہے جس سے دلوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، دلوں میں شگاف پڑجاتے ہیں، اور عداوتیں کھڑی ہوجاتی ہیں، دشمنیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جھوٹ بولنا تو ہر حال میں بڑا زبردست گناہ ہے، لیکن اس حدیث میں حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر اس جھوٹ کو بیان فرمارہے ہیں جہاں تمہارا مخاطب تم پر اعتماد کررہا ہے، اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ شخص جو بات مجھ سے کہے گا وہ سیدھی اور سچی بات کہے گا، لیکن تم الٹا اس کے اعتماد کو مجروح کرتے ہوئے اس کے ساتھ جھوٹ بولو۔ تو اس عمل میں جھوٹ کا گناہ تو ہے ہی، ساتھ ہی اس میں خیانت کا بھی گناہ ہے۔

---

(۱) سنن ابی داود ۲۹۳/٤ (٤۹۷۱)۔الادب للفرد للبخاری ص ۲۰۲ (۳۹۳) طبع مکتبة المعارف الرياض۔ كلاهما من حديث سفيان بن اسيد الحضرمي رضى الله عنه ورواه احمد فى مسند احمد ۱۸۳/۲۹ (۱۷٦۳۵) من حديث النواس بن سمعان رضى الله عنه وقال المناوى فى التيسير ۲۰۵/۲ فى حديث سفيان: اسناده ضعيف وقال فى حديث النواس باسناد جيد۔

وہ امانت دار ہے

اس لیے کہ جو شخص تم سے رجوع کر رہا ہے وہ تمہیں امین اور سچا سمجھ کر رجوع کر رہا ہے، حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ[1]

جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

گویا کہ مشورہ طلب کرنے والا اس کے پاس امانت رکھوائے ہوئے ہے کہ تم صحیح بات مجھے بتانا، اور اس پر اعتماد اور بھروسہ بھی کر رہا ہے، لیکن تم نے اس کے ساتھ جھوٹ بولا اور غلط بات بتائی، لہٰذا تم خیانت کے گناہ کے بھی مرتکب ہوئے۔

جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ

آج ہمارے معاشرے میں جتنی تصدیقات اور سرٹیفکیٹ جاری ہوتے ہیں، وہ سب اس حدیث کے تحت آتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص بیمار ہے اور اس کو اپنے محکمے سے چھٹی لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس بات کا میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کرے کہ وہ واقعتاً بیمار ہے۔ تو اب جس ڈاکٹر سے سرٹیفکیٹ طلب کیا جائے گا، وہ امانت دار ہے کیونکہ وہ محکمہ اس ڈاکٹر پر بھروسہ اور اعتماد کر رہا ہے کہ یہ جو سرٹیفکیٹ جاری کرے گا وہ سچا سرٹیفکیٹ جاری کرے گا، وہ شخص واقعی بیمار ہوگا تب ہی وہ سرٹیفکیٹ جاری کرے گا ورنہ جاری نہیں کرے گا۔ اب اگر وہ ڈاکٹر

---

(۱) سنن ابن ماجه ۳۰۵/۵ (۳۷٤٦) وقال البوصيري في "المصباح" ١٢٠/٤: هذا إسناد صحيح رجاله ثقات۔

پیسے لے کر یا پیسے لیے بغیر صرف دوستی کی مد میں اس خیال سے کہ اس سرٹیفکیٹ کے ذریعہ اس کو چھٹی مل جائے، جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری کردے گا تو یہ ڈاکٹر جھوٹ کے گناہ کے ساتھ بڑی خیانت کا بھی مرتکب ہوگا اور جو شخص ایسا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر کو مجبور کرے کہ وہ ایسا جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری کردے، ایسا شخص بے شمار گناہوں کا ارتکاب کررہا ہے، ایک یہ کہ خود جھوٹ بول رہا ہے اور دوسرے ڈاکٹر کو جھوٹ بولنے پر مجبور کررہا ہے اور اگر پیسے دے کر یہ سرٹیفکیٹ حاصل کررہا ہے تو رشوت دینے کے گناہ کا مرتکب ہورہا ہے، اور پھر جھوٹ بول کر جو چھٹی لے رہا ہے وہ چھٹی بھی حرام ہے اور اس چھٹی کی جو تنخواہ لی ہے وہ تنخواہ بھی حرام ہے، اور اس تنخواہ سے جو کھانا کھایا وہ بھی حرام ہے، لہٰذا ایک جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ جاری کرانے میں اتنے بے شمار گناہ جمع ہیں۔ العیاذ باللہ العظیم۔

آج ہمارا معاشرہ ان چیزوں سے بھرا ہوا ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے، دیندار، نمازی، متشرع لوگوں کو بھی جب ضرورت پڑتی ہے تو وہ بھی جھوٹا سرٹیفکیٹ نکلوانے میں کوئی شرم اور عار محسوس نہیں کرتے، اور اس چیز کو دین سے خارج ہی کردیا ہے۔

مدارس کی تصدیق کرنا

اسی طرح مدرسوں کی تصدیق ہے، بہت سے مدارس کے حضرات میرے پاس بھی آتے ہیں کہ آپ ہمارے مدرسے کی تصدیق کردیجیے کہ یہ مدرسہ قائم ہے اور ٹھیک کام کررہا ہے، اگر اس میں چندہ دیا جائے گا تو وہ چندہ صحیح مصرف میں استعمال ہوگا۔ یہ تصدیق ایک گواہی ہے، اب اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ فلاں سے تصدیق کراکر لاؤ، تب ہم تمہیں چندہ دیں گے، گویا کہ اس نے مجھ پر

بھروسہ کیا، اب میرا یہ فرض ہے کہ میں اس وقت تک تصدیق جاری نہ کروں جب تک مجھے واقعتاً اس بات کا یقین نہ ہو کہ واقعتاً یہ مدرسہ اس چندہ کا مستحق ہے۔ اگر ایک شخص میرے پاس آئے اور میں محض دوستی یا مروّت میں آ کر تصدیق کر دوں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگ تو میرے اوپر بھروسہ کر رہے ہیں اور میں ان کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہوں، کیونکہ میں نے اس مدرسہ کو دیکھا نہیں، میں اس کے حالات سے واقف نہیں، اس کے طریقہ کار سے میں باخبر نہیں، لیکن اس کے باوجود میں نے تصدیق نامہ جاری کر دیا، تو میں اس بدترین خیانت کا مرتکب ہوں گا۔ اب مدرسہ کے حضرات تصدیق کے لیے میرے پاس آتے ہیں، جب میں ان سے معذرت کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ ان سے اتنا چھوٹا سا کام نہیں کیا جاتا، وہ سمجھتے ہیں کہ انکار کرنا مروّت کے خلاف ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ شہادت ہے، اور حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ بدترین خیانت ہے کہ لوگ تم پر بھروسہ کر کے تمہیں سچا سمجھ رہے ہیں اور تم ان کے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔

جھوٹا کیریکٹر سرٹیفکیٹ

آج کل مورل سرٹیفکیٹ اور کیریکٹر سرٹیفکیٹ بنوائے جاتے ہیں، اور سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا اس میں لکھتا ہے کہ میں اس شخص کو پانچ سال سے جانتا ہوں یا دس سال سے جانتا ہوں، حالانکہ وہ اس کو صرف دو دن سے جانتا ہے، میں اس کے حالات سے واقف ہوں، یہ بہت اچھے اخلاق اور کردار کا مالک ہے۔ اب سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس بھلائی کے نتیجے میں

قیامت کے روز گردن پکڑی جائے گی کہ تم نے تو یہ لکھا تھا کہ میں اس کو پانچ سال سے یا دس سال سے جانتا ہوں، حالانکہ تم اس کو نہیں جانتے تھے۔ یہ بدترین خیانت کے اندر داخل ہے، کیونکہ لوگ تم پر بھروسہ کررہے ہیں اور تم لوگوں کے ساتھ جھوٹ بول رہے ہو۔

آج سرٹیفکیٹ کی کوئی قیمت نہیں

آج معاشرہ ان باتوں سے بھر گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج سرٹیفکیٹ کی بھی کوئی قیمت نہیں رہی، کیوں کہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ سب جھوٹے اور مصنوعی سرٹیفکیٹ ہیں۔ آج ہم نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو زندگی سے خارج ہی کردیا ہے، اور صرف نماز، روزہ اور تسبیح کا نام دین رکھ دیا ہے، لیکن دنیا کی زندگی میں ہم لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آرہے ہیں، اس طرف دھیان ہی نہیں ہے۔

یہ بھی اختلافات کا سبب ہے

یہ چیز بھی ہمارے آپس کے اختلافات اور جھگڑوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اس لیے کہ جب تم ایک آدمی پر بھروسہ اور اعتماد کررہے ہو کہ یہ شخص تمہیں سچ بات بتائے گا، لیکن وہ شخص تم سے جھوٹ بولے، تو اس جھوٹ کے نتیجے میں اس کے دل میں تمہارے خلاف گرہ پڑ جائے گی کہ میں نے تو اس پر بھروسہ کیا، لیکن اس نے میرے ساتھ جھوٹ بولا، مجھے دھوکہ دیا اور مجھے غلط راستہ دکھایا۔ لہٰذا اس کے دل میں تمہارے خلاف عداوت پیدا ہوگی۔

بہرحال! باہمی اختلافات اور نا اتفاقی کا ایک بہت بڑا سبب ''جھوٹ''

ہے، اگر اس جھوٹ کو ختم نہیں کرو گے تو آپس کی ناچاقیاں اور اختلافات کیسے ختم ہوں گے؟ اس لیے اس جھوٹ کو ختم کرو۔ ویسے تو ہر جھوٹ حرام ہے، لیکن خاص طور پر وہ جھوٹ جہاں پر دوسرا شخص تم پر بھروسہ کر رہا ہو اور تم اس کے ساتھ جھوٹ بولو، یہ بڑا خطرناک جھوٹ ہے۔

گزشتہ کی تلافی کیسے کریں؟

اب ایک سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے آپس کے اختلافات اور نا اتفاقی کے جو اسباب بیان فرمائے ہیں، اگر ہم آج ان سے پرہیز کرنے کا ارادہ کرلیں اور محنت کر کے اپنے آپ کو اس کا پابند بنالیں تو ان شاء اللہ آئندہ کی زندگی تو درست ہوجائے گی، لیکن گزشتہ زمانہ میں اب تک ہم سے حضورِ اقدس ﷺ کی ان تعلیمات کی خلاف ورزی ہوئی، مثلاً کسی کی غیبت کرلی، کسی کو برا کہا، کسی کو دکھ پہنچایا، کسی کو تکلیف پہنچائی، کسی کی دل آزاری کی، اور ان خلاف ورزیوں کے نتیجے میں اور حقوق العباد کو ضائع کرنے کے نتیجے میں ہمارا نامۂ اعمال سیاہ ہوگیا ہے، اس کا کیا حل ہے؟ اگر ہم اپنی پچھلی زندگی کی طرف نظر دوڑائیں تو یہ نظر آئے گا کہ سالہا سال میرا نہ جانے کتنے انسانوں سے رابطہ ہوا، کتنے انسانوں سے تعلقات ہوئے، ہم نے کس کی کتنی حق تلفی کی؟ اس کا ہمارے پاس نہ کوئی حساب ہے، نہ پیمانہ ہے، اور نہ ان سے معافی مانگنے کی کوئی صورت ہے، لہٰذا اگر ہم آج سے اپنی اصلاح شروع کر بھی دیں تو پچھلے معاملات کا اور پچھلی زندگی کا کیا بنے گا؟ اور پچھلا حساب کتاب صاف کرنے کا کیا راستہ ہے؟ یہ بڑا اہم سوال ہے اور ہم سب کو اس کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معافی مانگنا

لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری ہر مشکل کا حل اپنے اسوۂ حسنہ میں تجویز فرمادیا ہے۔ جو آدمی اپنی پچھلی زندگی کی اصلاح کرنا چاہتا ہو اور اس کو خیال ہو کہ میں نے بہت سے اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع کر دیے ہیں تو اس کا راستہ بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور خود اس پر عمل کر کے دکھایا کہ ایک دن آپ نے مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑے ہو کر عام صحابہ کے مجمع کے سامنے فرمایا:

> ''میری ذات سے کبھی کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچی ہو، یا کبھی مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو، تو میں آج اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر وہ اس زیادتی کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو میں بدلہ دینے کو تیار ہوں، اور اگر وہ مجھ سے کوئی صلہ طلب کرنا چاہتا ہے تو میں وہ دینے کے لیے تیار ہوں، اور اگر وہ معاف کرنا چاہتا ہے تو میری درخواست ہے کہ وہ معاف کردے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ مقام

یہ اعلان اس ذات نے فرمایا جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا کہ

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (۱)

---

(۱) سورۃ الفتح آیت (۲)۔

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔

اور جن کے بارے میں یہ فرمادیا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا[1]

یعنی پروردگار کی قسم! لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصل نہ بنائیں، اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں وہ اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور سرتسلیم خم نہ کریں۔

لہٰذا جس ذات کے بارے میں قرآنِ کریم میں یہ ارشادات نازل ہوئے ہوں اور جن کے بارے میں اس بات کی وضاحت آگئی ہو کہ آپ کی ذات سے کسی کو ظلم اور زیادتی پہنچ سکتی ہی نہیں، ان سب باتوں کے باوجود آپ نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے مندرجہ بالا اعلان فرمایا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بدلہ کے لیے آنا

روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان سن کر ایک صحابی کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بدلہ لینا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۶۵)۔

پوچھا کہ کیسا بدلہ؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کمر پر مارا تھا، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو مارنا یاد نہیں ہے، لیکن اگر تمہیں یاد ہے تو آجاؤ اور بدلہ لے لو، چنانچہ وہ صحابی کمر کے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس وقت آپ نے مجھے مارا تھا اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر پیٹ سے ہٹادی، تو وہ صحابی آگے بڑھے اور بطن مبارک کو بوسہ دیا[1]۔ بہر حال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پیش کردیا کہ جو بدلہ لینا چاہے تو میں اس کو بدلہ دینے کو تیار ہوں۔

---

(۱) للمعجم الکبیر للطبرانی ۵۸/۳ (۲٦۷٦) وحلیہ الاولیاء لابی نعیم ۷۳/٤ وقال العراقی فی تخریج احادیث الاحیاء ۱۲۱۵/۲ (٤٤۰۱) واسناده ضعیف۔وقال الهیثمی فی المجمع ۸۹۸/۸ (۱٤۲۵۳) وفیہ عبد المنعم بن إدریس وهو کذاب۔ مذکورہ روایت طبرانی نے معجم کبیر میں انتہائی تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے اور حضرات محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہے تاہم بدلہ لینے کے سلسلے میں سنن ابی داود ٤/۳۵٦ (۵۲۲٤) کی روایت ہے اس میں یہ مضمون ہے کہ ایک صحابی اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو مزاح بہت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی مجلس لگی ہوئی تھی اور یہ اپنے ہم مجلس ساتھیوں کو ہنسا رہے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھڑی سے کچوکا دیا تو حضرت اسید بن حضیر نے فورا کہا کہ مجھے بدلہ چاہیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو بدلہ کے لئے پیش کیا تو حضرت اسید بن حضیر نے فرمایا کہ یارسول اللہ آپ پر قمیص ہے جبکہ میرے اوپر قمیص نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسم مبارک سے قمیص اٹھادی تو حضرت اسید بن حضیر بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک سے چمٹ گئے اور اسے بوسہ دینے لگے اور کہا کہ یارسول اللہ! میرا یہی مقصد تھا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا۔اس روایت پر ابو داود اور منذری کا سکوت ہے جو ان کے نزدیک حسن ہونے کی علامت ہے۔اسی طرح ایک واقعہ ابن اسحاق کے حوالے سے سیرۃ ابن ہشام ٦۲٦/۱ (طبع مصطفی البابی مصر) میں حضرت ابن غزیۃ رضی اللہ عنہ کا آیا ہے اس کی سند کے بارے میں شیخ البانی نے سلسلة الصحيحه ۸۰۸/٦ (۲۸۳۵) طبع مکتبۃ المعارف میں حسن کہا ہے۔واللہ اعلم، عنایت الرحمن عفی عنہ۔

سب سے معافی تلافی کرالو

اس عمل کے ذریعے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سکھا دیا کہ جب میں یہ عمل کر رہا ہوں تو تم بھی اگر اپنی پچھلی زندگی کے داغ دھونا چاہتے ہو تو اپنے ملنے جلنے والوں، اپنے عزیز و اقارب، اپنے دوست احباب سے یہی پیش کش کرو کہ نہ جانے پچھلی زندگی میں مجھ سے آپ کی کیا حق تلفی ہوئی ہو، آج میں اس کا بدلہ دینے کو تیار ہوں، اور اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کی مہربانی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معافی مانگنا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا اور اس رسالے کو شائع کیا اور پھر اپنے تمام ملنے جلنے والوں میں وہ رسالہ تقسیم کیا۔ اس رسالے کا نام ہے "العذر و النذر" اس رسالے میں یہی مضمون لکھا کہ چونکہ میرے بہت سے لوگوں کے ساتھ تعلقات رہے ہیں، نہ جانے مجھ پر کس کا حق ہو اور وہ حق مجھ سے پامال ہو گیا ہو، یا مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو، آج میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں، اگر مجھ سے اس حق کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو بدلہ لے لے، اگر کوئی مالی حق میرے ذمے واجب ہے وہ مجھے مالی حق یاد دلا دے، میں بدلہ دے دوں گا، یا کسی کو جانی تکلیف پہنچائی ہے تو اس کا بدلہ دینے کو تیار ہوں، ورنہ میں معافی کی درخواست پیش کرتا ہوں اور ساتھ میں یہ احادیث بھی لکھ دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اس کو

قبول نہ کرے اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا ظلم سے محصول لینے
والے پر ہوتا ہے(۱)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو شخص معذرت کرے اپنے بھائی سے اور وہ اس کو قبول نہ
کرے وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ آنے پائے گا(۲)۔

روپے پیسے کا معاملہ علیحدہ ہے، اگر دوسرے کے ذمے روپے پیسے واجب ہیں تو اس کو حق ہے کہ اس کو وصول کرلے، لیکن دوسرے قسم کے حقوق، مثلاً کسی کی غیبت کرلی تھی، یا دل آزاری کرلی تھی، یا کوئی اور تکلیف پہنچائی تھی اور تکلیف پہنچانے والا اب معافی مانگ رہا ہے تو دوسرے مسلمان کو چاہیے کہ وہ معاف کردے۔

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا معافی مانگنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے وفات سے تین سال پہلے جب پہلی مرتبہ دل کا دورہ پڑا، تو ہسپتال ہی میں مجھے بلاکر فرمایا کہ تم میری طرف سے ایسا ہی ایک مضمون لکھ دو جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "العذر والنذر" میں اپنے اہل تعلق کو لکھا تھا، اور اس کا نام یہ رکھنا "کچھ تلافی مافات" اس میں لفظ "کچھ" سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ

(۱) سنن ابن ماجہ ۲۷۸/۵ (۳۷۱۸) وقال البوصيري: "مصباح الزجاجة" ۱۱۳/٤ ورجال إسناده ثقات إلا أنه مرسل.

(۲) المستدرک للحاکم ۱۷۰/٤ (۷۲۵۸) وقال هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه وقال الذهبي في التلخيص بل سويد ضعيف.

یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں اپنے پچھلے سارے معاملات کی تلافی کر رہا ہوں، بلکہ یہ ''کچھ'' تلافی کر رہا ہوں۔ یہ مضمون لکھوانے کے بعد شائع فرمایا اور اپنے تمام اہلِ تعلق کو خط کے ذریعہ بھیجا تاکہ ان کی طرف سے معافی ہوجائے۔

اپنا کہا سنا معاف کرالو

ہمارے بزرگوں نے ایک جملہ سکھایا ہے جو اکثر و بیشتر لوگوں کی زبان پر ہوتا ہے، یہ بڑا اچھا جملہ ہے، وہ یہ کہ جب کسی سے جدا ہوتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ

''بھائی! ہمارا کہا سنا معاف کر دینا''

یہ بڑے کام کا جملہ ہے اور اس میں بڑی عظیم حکمت کی بات ہے، اگرچہ لوگ اس کو بغیر سوچے سمجھے کہہ لیتے ہیں، لیکن حقیقت میں اس جملے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت ہم تم سے جدا ہو رہے ہیں، اب دوبارہ معلوم نہیں کہ ملاقات ہو یا نہ ہو، موقع ملے یا نہ ملے، لہٰذا میں نے تمہارے بارے میں کچھ کہا سنا ہو، یا تمہاری کوئی زیادتی کی ہو، تو آج میں تم سے اس کی معافی مانگتا ہوں۔ لہٰذا سفر میں جاتے ہوئے اس کی عادت ڈالنی چاہیے کہ جن سے میل ملاقات رہتی ہو، ان سے یہ جملہ کہہ دینا چاہیے، جب وہ سامنے والا جواب میں یہ کہہ دے کہ میں نے معاف کر دیا تو ان شاء اللہ معافی ہوجائے گی۔

جن کا پتہ نہیں ان سے معافی کا طریقہ

معاف کرانے کا یہ طریقہ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں بتایا جن تک رسائی ہوسکتی ہے، لیکن بہت سے اہل تعلقات ایسے ہوتے ہیں

کہ ان تک رسائی ممکن نہیں، مثلاً ہم لوگ اکثر بسوں میں، ریلوں میں، ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں اور ان سفروں میں نہ جانے کتنے لوگوں کو ہم سے تکلیف پہنچ گئی ہوگی، اب ہمیں نہ ان کا نام معلوم ہے اور نہ ان کا پتہ معلوم ہے، اور اب ان تک پہنچ کر ان سے معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، ایسے لوگوں سے معافی مانگنے کا بھی حضورِ اقدس ﷺ نے ایک طریقہ بتادیا جو انتہائی آسان ہے۔

ان کے لیے یہ دعا کریں

وہ یہ کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ایسے لوگوں کے حق میں یہ دعا فرمادی:

أَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَوْمُؤْمِنَةٍ آذَيْتَهُ أَوْ شَتَمْتُهُ أَوْ جَلَدْتُهُ أَوْ لَعَنْتُهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَيْكَ (۱)

اے اللہ! میری ذات سے کسی مؤمن مرد یا عورت کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو، یا میں نے کبھی کسی کو برا بھلا کہا ہو، یا میں نے کبھی کسی کو مارا ہو، یا کبھی کسی کو لعنت کی ہو، یا کبھی اس کے حق میں بددعا کی ہو، تو اے اللہ! میرے ان سارے اعمال کو اس شخص کے حق میں رحمت بنادیجیے اور اس کو اس کے پاک ہونے کا ذریعہ بنادیجیے اور میرے اس عمل کے نتیجے میں اس کو اپنا قرب عطا فرمادیجیے۔

---

(۱) ماخوذ از صحیح البخاری ۷۷/۸ (٦٣٦١) وصحیح مسلم ۲۰۰۸/٤ (٢٦٠١) ومسند احمد۳٦۲/۱۲(۷۳۱۱)وسنن ابی داود٤/۲۱۵(٤٦٥٩)۔

لہٰذا بزرگوں نے فرمایا کہ جن تک آپ نہیں پہنچ سکتے اور جن سے معافی مانگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، ان کے حق میں یہ دعا کردیں۔ کیونکہ جب آپ کی پہنچائی ہوئی تکلیف ان کے حق میں رحمت بن جائے گی تو ان شاء اللہ خود ہی معاف کردیں گے اور ان کے حق میں ایصال ثواب کریں۔

زندہ کو ایصال ثواب

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کی ایصال ثواب صرف مردوں کو ہوسکتا ہے جو دنیا سے جاچکے، زندوں کو نہیں ہوسکتا، یہ خیال غلط ہے، ایصال ثواب تو زندہ آدمی کو بھی کیا جاسکتا ہے[1]۔ لہٰذا عبادت کرکے، تلاوت کرکے اس کا ثواب ایسے لوگوں کو پہنچادو جن کو آپ کی ذات سے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو، اس کے نتیجے میں تم نے اس کے ساتھ جو زیادتی کی ہے ان شاء اللہ اس کی تلافی ہوجائے گی۔

عمومی دعا کرلیں

اس کے علاوہ ایک عمومی دعا یہ کرلو کہ یا اللہ! جس جس شخص کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو، اور جس جس شخص کی مجھ سے حق تلفی ہوئی ہو، اے اللہ! اپنے فضل سے اس پر اپنی رحمتیں نازل فرمایئے اور میرے اس عمل کو اس کے لیے رحمت کا ذریعہ بنادیجیے اور اس کو مجھ سے راضی کردیجیے، اور اس کے دل کو میری طرف سے صاف کردیجیے تاکہ وہ مجھے معاف کردے۔

---

(۱) ردالمحتار لابن عابدین الشامی ۵۹۶/۲ طبع دار الفکر۔

ایک غلط خیال کی تردید

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں یہ دعا والی حدیث بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس سے کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے گناہ کرنے والوں کو لعنت کی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ (1)

اللہ تعالیٰ رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت کرے۔

اب یہ حدیث سن کر رشوت دینے والا یا لینے والا اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لعنت میرے حق میں دعا بن جائے گی، اس لیے کہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمادی ہے کہ اے اللہ! میں نے جس جس کو لعنت کی ہے وہ لعنت اس کو دعا بن کر لگے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ دعا کی حدیث کے شروع میں یہ الفاظ بھی حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے:

اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ

اے اللہ! میں تو ایک انسان ہوں اور جس طرح اور انسانوں کو غصہ آجاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آجاتا ہے، اس

---

(1) مسند احمد ۸/۱۵ (۹۰۲۳) وسنن ابی داود ۳/۳۰۰ (۳۵۸۰) وسنن الترمذی ۳/۱۶ (۱۳۳۷) ولفظها "لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ"، وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح۔

غصے کے نتیجے میں اگر کبھی میں نے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی
ہو یا لعنت کی ہو یا برا بھلا کہا ہو، تو اس کو اس کے حق میں
دعا بنا کر لگائیے۔

لہٰذا یہ حدیث اس لعنت کے بارے میں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں بشری تقاضے سے کسی پر لعنت کی ہو، ایسی لعنت اس کے حق میں دعا بن کر لگے، لیکن اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص پر گناہ کی وجہ سے لعنت کی ہو یا دین اور شریعت کے تقاضے سے لعنت کی ہو تو یہ دعا والی حدیث اس لعنت کے بارے میں نہیں ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

والدین کی خدمت، جنت کا ذریعہ

(اصلاحی خطبات ۴/۵۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والدین کی خدمت، جنت کا ذریعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۱)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبی الكريم، ونحن علی ذالك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين۔

حقوق العباد کا بیان

علامہ نووی رحمہ اللہ (۲) نے یہ ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، جو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کے بیان میں ہے، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ ابواب جو اس کتاب "ریاض الصالحین" میں چل رہے ہیں، ان کا تعلق حقوق العباد سے ہے، بعض حقوق العباد کا بیان گزر چکا ہے، ان حقوق کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ سن چکے ہیں، اس نئے باب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آیات اور احادیث لائے ہیں، سب سے پہلی حدیث یہ ہے:

افضل عمل کون سا؟

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى؟ قَالَ: «الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا»، قُلْتُ: ثُمَّ

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۳۶)۔

(۲) ریاض الصالحین ص ۱۲۸ طبع موسسہ الرسالۃ۔

أَيُّ؟ قَالَ: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ»، قلتُ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: «الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»(۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے محبوب عمل یہ ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے،'' میں نے پھر پوچھا کہ نماز کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک''۔ میں نے پھر پوچھا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسرے نمبر پر محبوب عمل کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا''

اس حدیث میں ترتیب اس طرح بیان فرمائی گئی کہ سب سے افضل اور پسندیدہ عمل وقت پر نماز پڑھنے کو قرار دیا گیا، دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کیا۔

نیک کاموں کی حرص

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں ایک یہ اگر احادیث کا جائزہ لیا جائے تو یہ نظر

(۱) صحیح البخاری ۸/۲ (۵۹۷۰) وصحیح مسلم ۸۹/۱ (۸۵) ورياض الصالحين ص ۱۲۹ (۳۱۲)۔

آتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مواقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ فکر اور یہ حرص ظاہر ہوتی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور افضل ہو اس کو انجام دینے کی کوشش کی جائے، اور وہ عمل ہماری زندگیوں میں آجائے، اس لیے کہ ہر وقت دل و دماغ پر آخرت کی فکر طاری تھی، وہ تو یہ چاہتے تھے کہ آخرت میں کسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوجائے، اس لیے ہر وقت یہ معلوم کرنے کی فکر میں رہتے تھے کہ کس عمل میں کیا اجر و ثواب ہے، اور وہ ہمیں حاصل ہوجائے۔

آج ہم لوگ فضائل کی احادیث پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے، فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے۔ پڑھتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں، لیکن اس کے بعد کما حقہ عمل کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل جس کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ یہ ثواب کا کام ہے بس اس کی طرف دوڑتے تھے۔

افسوس! میں نے تو بہت سے قیراط ضائع کردیے

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ’’جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں شریک ہو تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا۔‘‘

’’قیراط‘‘ اس زمانے میں ایک پیمانہ تھا۔ جس کے ذریعہ سونا چاندی کا وزن

کیا جاتا تھا اور جو شخص نماز جنازہ کے بعد اس کے پیچھے چلے اس کو دو قیراط ملیں گے(۱) اور جو شخص اس کی تدفین میں شامل ہو، اس کو تین قیراط اجر ملیں گے(۲)۔ ویسے تو ''قیراط'' ایک چھوٹا سا پیمانہ ہے، لیکن ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جنت کا ''قیراط'' احد پہاڑ سے بھی بڑا ہے(۳)۔

جب یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنائی تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فوراً افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث پہلے نہیں سنی، جس کی وجہ سے ہم بہت سے قیراط ضائع کر دیے(۴)۔ مقصد یہ تھا کہ مجھے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز جنازہ پڑھنے اور جنازہ کے پیچھے چلنے، اور اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے میرے بہت سے ''قیراط'' ضائع ہو گئے۔ حالانکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہ صحابی ہیں جن کا مشغلہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا تھا، جن کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ موجود ہے، لیکن اس کے باوجود جب ایک نیا عمل معلوم ہوا تو اس پر افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں اب تک یہ عمل اختیار نہیں کیا تھا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی حال نظر آتا ہے کہ ہر وقت اسی فکر میں ہیں کہ ذرا سی نیکی کرنے کا موقع مل جائے جس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب میں اضافہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

---

(۱) صحیح البخاری ۸۷/۲ (۱۳۲۵) و صحیح مسلم ۶۵۲/۲ (۹۴۵)۔
(۲) مسند ابی یعلی ۳۳۶/۱۱ (۶۴۵۳)۔
(۳) مسند احمد ۲۰/۸ (٤٤٥٣)۔
(۴) صحیح البخاری ۸۷/۲ (۱۳۲۳)۔

سوال ایک جواب مختلف

اسی لیے بار بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ روایات میں یہ نظر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف جواب دیے، مثلاً اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے، ایک حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل یہ ہے کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یعنی ہر وقت تمہاری زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو(۱)۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، ہر حالت میں تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے افضل عمل والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہے(۲)، کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا سب سے افضل عمل ہے(۳)، غرض یہ کہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات عطا فرمائے، بظاہر اگرچہ ان جوابات میں تضاد نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں تضاد نہیں۔

---

(۱) سنن الترمذی ۳۸۸/۵ (۳۳۷۵) وقال ھذا حدیث حسن۔

(۲) صحیح البخاری ۱۵٦/۹ (۷۵۳٤) وصحیح مسلم ۹۰/۱ (۸۵)۔

(۳) مسند احمد ۲٤۵/۱ (۸۳) صحیح البخاری ۱٤/۱ (۲٦)۔

ہر شخص کا افضل عمل جدا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ہر آدمی کے حالات کے لحاظ سے افضل عمل بدلتا رہتا ہے، کسی شخص کے لیے نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لیے والدین کی اطاعت سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لیے جہاد سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لیے ذکر سب سے افضل عمل ہے، حالات کے لحاظ سے آدمیوں کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے، مثلاً بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے معلوم تھا کہ نماز کی پابندی تو ویسے بھی کرتے ہیں، ان کے سامنے نماز کی زیادہ فضیلت بیان کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن والدین کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہے، تو اب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمہارے حق میں سب سے افضل عمل والدین کی اطاعت ہے۔ کسی صحابی کا عبادت کی طرف تو دھیان زیادہ تھا، مگر جہاد کی طرف اتنی رغبت نہیں تھی۔ ان کے حق میں فرمایا کہ تمہارے لیے سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، لہٰذا مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف جوابات دیے، لیکن یہ سب فضیلت والے اعمال ہیں، یعنی وقت پر نماز پڑھنا۔ والدین کی اطاعت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرنا، ہر وقت ذکر اللہ کرنا وغیرہ۔ البتہ لوگوں کے حالات کے لحاظ سے فضیلت بدلتی رہتی ہے۔

نماز کی افضلیت

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل اعمال کی ترتیب یہ بیان فرمائی کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا، صرف نماز پڑھنا نہیں، بلکہ

وقت کا لحاظ کر کے نماز پڑھنا، بعض اوقات انسان وقت کا دھیان نہیں کرتا اور وقت گزار دیتا ہے، اور یہ سوچتا ہے کہ نماز قضاء ہوگئی تو ہونے دو۔ یہ انسان کے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں، بلکہ وقت کے اندر نماز ادا کرنے کی فکر کرے، قرآنِ کریم کی آیت ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ (۱)

ان نمازیوں پر افسوس ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت میں ہیں۔

یعنی نماز کا وقت آیا اور چلا گیا، نماز ادا کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ نماز قضاء ہوگئی۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس سرورِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ (۲)

جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی وقت گزر گیا۔ اور نماز نہیں پڑھی وہ ایسا ہے جیسا کہ اس کے سارے گھر والے لٹ گئے اور سارا مال لٹ گیا۔

جس طرح وہ شخص تنگ دست اور مفلوک الحال ہے، اسی طرح وہ شخص بھی مفلوک الحال ہے، جس کی ایک عصر کی نماز قضاء ہوگئی، لہٰذا نماز کو قضاء کرنا بڑی سنگین بات ہے، اور اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس لیے نماز کا بھی دھیان ہونا چاہیے، اور نماز کے وقت کا بھی دھیان ہونا چاہیے۔

---

(۱) سورۃ الماعون آیت (۴-۵)۔

(۲) صحیح البخاری ۱/۱۱۵ (۵۵۲)۔

جہاد کی افضلیت

اس حدیث میں دوسرے نمبر پر افضل عمل ''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک'' کو قرار دیا اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ، گویا کہ والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد جیسی عبادت پر فوقیت دی گئی۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ جہاد اتنی بڑی عبادت ہے، اور اس کی اتنے فضائل ہیں حدیث میں آتا ہے:

> ''جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرے، اور س جہاد میں شہید ہو جائے تو جنت میں جانے کے بعد اسے دوبارہ دنیا میں جانے کی خواہش ہوگی تاکہ مزید دس مرتبہ شہید کیا جائے اور شہید کو ملنے والے اکرام کو حاصل کر سکے۔''(۱)

ایک حدیث میں ہے:

> ''جب ایک انسان مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقامات قرب کا مشاہدہ کرے گا، اور جنت کا مشاہدہ کرے گا تو اس کے دل میں کبھی دنیا میں واپس آنے کی خواہش پیدا نہیں ہوگی کہ میں دنیا میں واپس جاؤں، (اس لیے کہ دنیا کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ دنیا اس جنت کے مقابلے میں کتنی بے حقیقت، کتنی ناپائیدار اور کتنی گندی چیز تھی، جو جنت اس کو مل گئی۔) لیکن وہ شخص جو جہاد کرتے

(۱) صحیح البخاری ۲۲/٤ (۲۸۱۷)۔

ہوئے اللہ کے راستے میں شہید ہو چکا ہو۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے اور وہاں جا کر دوبارہ جہاد کروں اور پھر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں۔"(۱)

اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میرے دل کی خواہش یہ ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور شہید ہو جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے۔ پھر شہید ہو جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر شہید ہو جاؤں۔"(۲)

تو جنت میں جانے کے بعد کوئی اللہ کا بندہ دنیا میں واپس آنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ سوائے شہید کے کہ وہ اس بات کی خواہش کرے گا، جہاد کی اتنی بڑی فضیلت ہے۔

والدین کا حق

لیکن والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد پر مقدم رکھا ہے، اس لیے بزرگوں نے فرمایا کہ جتنے حقوق العباد ہیں، ان میں سب سے مقدم والدین کا حق ہے، اس سے واجب الاحترام حق دنیا میں کسی اور کا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو انسان کے وجود کا ذریعہ بنایا ہے، اس لیے ان کا حق بھی سب سے زیادہ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا

(۱) صحیح البخاری ۱۷/٤ (۲۷۹۵) وصحیح مسلم ۱٤۹۸/۳ (۱۸۷۷)۔
(۲) صحیح البخاری ۱٦/۱ (۳٦) وصحیح مسلم ۱٤۹٥/۳ (۱۸۷٦)۔

اجر رکھا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اپنے والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک مقبول حج کے برابر ثواب عطا فرماتے ہیں۔''(۱)

بے غرض محبت

یاد رکھئے! اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں، ان تمام محبتوں اور تعلقات میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہے۔ اس دنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی، سوائے والدین کی محبت کے، یعنی والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے، وہ بے غرض ہوتی ہے، اس محبت میں ان کا اپنا کوئی مفاد اور کوئی غرض شامل نہیں، اس کے علاوہ کوئی محبت بے غرض نہیں مثلاً شوہر بیوی سے محبت کرے تو اس میں غرض شامل ہے، بیوی شوہر سے محبت کرے تو اس میں غرض شامل ہے، بھائی بھائی سے محبت کرے، یا ایک دوست دوسرے دوست سے محبت کرے، غرض یہ کہ جتنے تعلقات ہیں، سب کے اندر غرض شامل ہے، ان سب میں کوئی نہ کوئی غرض کارفرما ہوتی ہے، لیکن ایک محبت غرض سے پاک ہے، وہ ماں باپ کی محبت ہے، یعنی ماں باپ اپنی اولاد سے جو محبت کرتے

---

(۱) مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا ص ۷۴(۲۱۵) طبع مکتبة القرآن القاہرہ۔وشعب الایمان للبیہقی ۲۶۵/۱۰ (۷۴۷۲) ومعجم اسامی شیوخ ابی بکر الاسماعیلی ۳۲۰/۱ طبع مکتبة العلوم والحکم۔والتدوین للرافعی ۴۲۳/۳ طبع دار الکتب العلمیة. والحدیث مذکور فی الجامع الصغیر للسیوطی ۱۶۱۵/۴ (۸۰۴۳) برمز الضعف (مکتبة نزار مصطفی الباز) وسکت المناوی عن اسنادہ فی "فیض القدیر" ۴۸۳/۵ و"التیسیر" ۳۶۲/۲۔

ہیں اس میں ان کی ذات کی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی، ان کا جذبہ تو ہوتا ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے، لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں ان کا درجہ سب سے زیادہ رکھا، اور جہاد فی سبیل اللہ پر بھی اس کو مقدم فرمایا۔

والدین کی خدمت

ایک اور حدیث مبارک میں آتا ہے کہ

ایک صحابی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور جہاد سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہوجائیں، اور اس پر مجھے اجروثواب عطا فرمائیں۔ صرف اسی غرض کے لیے جہاد میں جانا چاہتا ہوں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’تم واقعی ثواب حاصل کرنے کے لیے جہاد کرنا چاہتے ہو؟‘‘ انہوں نے جواب دیا ہاں! یارسول اللہ! میں صرف ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے والدین زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جاؤ اور ان کی خدمت کرو، اس لیے کہ اگر تمہیں اجر حاصل کرنا ہے تو پھر والدین کی خدمت کر کے تمہیں جو اجر حاصل ہوگا وہ

اجر جہاد سے بھی حاصل نہیں ہوگا۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

”فَفِیهِمَا فَجَاهِدْ“

یعنی جا کر ان کی خدمت کر کے جہاد کرو۔(۱)

ان روایات میں والدین کی خدمت کو جہاد سے بھی زیادہ فوقیت عطا فرمائی۔

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ فرماتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس وقت کیا تقاضا ہے؟ بس! اس تقاضے کو پورا کرو، اس کا نام دین ہے، اس کا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہوگیا ہے، اس شوق کو پورا کر رہا ہوں۔ مثلاً کسی کو اس بات کا شوق ہوگیا کہ میں ہمیشہ صف اوّل میں نماز پڑھوں، کسی کو اس بات کو شوق ہوگیا کہ میں جہاد پر جاؤں، کسی کو اس بات کا شوق ہوگیا کہ میں تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں، اگرچہ یہ سب دین کے کام ہیں اور باعث اجر و ثواب ہے، لیکن یہ دیکھو کہ اس وقت تقاضا کیا ہے؟ مثلاً گھر کے اندر والدین بیمار ہیں،، اور انہیں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، لیکن تمہیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے کہ صف اوّل

(۱) صحیح البخاری ٤/٥٩ (٣٠٠٤) وصحیح مسلم ٤/١٩٧٥ (٢٥٤٩)۔

ئیں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں اور والدین اتنے بیمار ہیں کہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اب اس وقت تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقاضا یہ ہے کہ صف اوّل کی نماز کو چھوڑو اور والدین کی خدمت انجام دو اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو، اب اگر اس وقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اور تم اپنا شوق پورا کرنے کے لیے مسجد میں چلے گئے اور صف اول میں جا کر شامل ہو گئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مسجد کہیں دور ہے، مسجد آنے جانے میں وقت لگے گا، اور والدین کی ایسی حالت ہے کہ ان کو تکلیف ہوگی، لیکن اگر مسجد گھر کے بالکل قریب ہے اور والدین کی ایسی حالت ہے کہ ان کو بیٹے کے تھوڑی دیر کے دور رہنے سے تکلیف نہیں ہوگی یا کوئی اور خدمت کرنے والا موجود ہے تو اس صورت میں مسجد میں جا کر ہی جماعت سے نماز ادا کرنی چاہیے۔

یہ دین نہیں ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال دی، فرمایا کہ فرض کریں کہ ایک ویرانے جنگل میں ایک شخص اور صرف اس کی بیوی ہے، اور کوئی شخص قریب میں موجود نہیں، اس حالت میں نماز کا وقت ہو گیا اور مسجد آبادی کے اندر فاصلے پر ہے، اب یہ شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ چونکہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، اس لیے میں تو مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کروں گا، اس کی بیوی کہتی ہے کہ اس ویرانے جنگل کے اندر تنہا ہوں، کوئی پاس نہیں، اگر تم نماز کے لیے دور آبادی میں چلے گئے تو اس ویرانے میں خوف کی وجہ سے

میری تو جان نکل جائے گی، لیکن شوہر کہتا ہے کہ جماعت سے صف اول میں پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، تو صف اول میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کروں گا۔ اور اس فضیلت کو میں حاصل کروں گا، چاہے کچھ ہوجائے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ دین نہ ہوا، یہ تو صف اول میں نماز پڑھنے کا شوق ہوگیا، اس شوق کو پورا کررہا ہے، اس لیے کہ اس وقت دین کا تقاضا تو یہ ہے کہ جماعت کی نماز چھوڑو۔ اور وہیں پر تنہا نماز پڑھو، اگر ایسا نہیں کروگے تو پھر اپنا شوق پورا کرنا ہوجائے گا۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ ہوگی۔

یا مثلاً گھر میں والدین بیمار ہیں، بیوی بچے بیمار ہیں، اور ان کو آپ کی خدمت کی ضرورت ہے، لیکن آپ کو تبلیغ میں جانے کا شوق ہوگیا۔ اور آپ نے کہا کہ میں تبلیغ میں جاتا ہوں۔ دیکھئے! ویسے تبلیغ میں جانا بڑا ثواب کا کام ہے، لیکن اس حالت میں جب کہ والدین یا بیوی بچوں کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے اور تمہاری خدمت کے بغیر ان کا کام نہیں چلے گا۔ تو اس حالت میں یہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا یہ دین کا تقاضا نہ ہوگا۔ اور دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ماننے کا دین ہے، جس وقت جس کام کا تقاضا ہے، اس وقت اس کو انجام دو۔

آپ نے اس حدیث میں دیکھا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، لیکن آپ ﷺ نے ان کو منع فرمادیا اور فرمایا کہ تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ جاکر والدین کی خدمت کرو۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ، حضورِ اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود ہیں،

اور مسلمان ہیں، اور وہ چاہتے بھی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وہ سعادت اور خوش نصیبی ہے کہ شاید اس روئے زمین پر اس سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کوئی اور نہیں ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد یہ شرف حاصل نہیں ہوسکتا، لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن میری والدہ بیمار ہیں، اور ان کو میری خدمت کی ضرورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاضر ہونے سے منع فرمادیا، اور یہ فرمایا کہ تم یہاں میری زیارت اور ملاقات کے لیے مت آؤ، بلکہ والدہ کی خدمت کرو(۱)۔

بھلا بتلایئے! کیسا بھی صاحب ایمان ہو، اس کے دل میں حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا کتنا شوق ہوگا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں بقیدِ حیات تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق کا کیا عالم ہوگا جب کہ آج یہ حالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے کتنے بے تاب اور بے چین رہتے ہیں، ایک مرتبہ حاضری ہوجائے، اور روضہ اقدس کی زیارت ہوجائے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق، اس کی بے چینی اور بے تابی کو ماں کی خدمت پر قربان کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمادیا کہ ماں کی خدمت کرو،

---

(۱) صحیح مسلم ۱۹۶۸/۴ (۲۵۴۲) والزہد لابن المبارک ۵۹/۲ طبع دار الکتب العلمیۃ۔

اور میری زیارت اور ملاقات کی سعادت کو چھوڑ دو، چنانچہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس سعادت کو چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں ''صحابیت'' کا مقام چھوٹ گیا۔ اس لیے کہ صحابیت کا درجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور زیارت پر موقوف ہے۔ اور ''صحابیت'' وہ مقام ہے کہ کوئی شخص ولایت اور بزرگی کے چاہے کتنے بڑے مقام پر پہنچ جائے، مگر وہ کسی ''صحابی'' کے گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔

''صحابیت'' کا مقام

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے ہیں، مشہور بزرگ، فقیہ، محدث گزرے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک عجیب سوال کیا۔ سوال یہ کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں؟ سوال کرنے والے شخص نے یہ سوال اس طرح ترتیب دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ان صحابی کا انتخاب کیا جن کے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی باتیں مشہور کر رکھی ہیں اور اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی تو اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ برحق تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی، اس عقیدے پر تقریباً ساری امت متفق ہے۔ بہرحال! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تو ان صحابی کو لیا جن کی شخصیت متنازع فیہ رہی ہے، اور دوسری طرف سوال میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا۔ جن کو عدل و انصاف اور تقویٰ طہارت وغیرہ میں ''عمرِ ثانی'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ دوسری صدی ہجری کے مجدد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ بہرحال! حضرت عبد اللہ

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ: بھائی! تم یہ پوچھ رہے ہو کہ معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں؟ ارے! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو درکنار حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے جو مٹی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں گئی تھی، وہ مٹی بھی ہزار عمر بن عبد العزیز سے افضل ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ''صحابیت'' کا جو مقام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا، ساری زندگی انسان کوشش کرتا رہے، تب بھی وہ ''صحابیت'' کا وہ مقام حاصل نہیں کرسکتا(۱)۔

ماں کی خدمت کرتے رہو

بہرحال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو یہ فرمادیا کہ ہماری زیارت کی ضرورت نہیں اور ''صحابیت'' کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ماں کی خدمت کرو۔ اگر ہم جیسا کوئی نا ادا شناس ہوتا تو یہ کہتا کہ یہ ''صحابیت'' کی دولت بعد میں ملنے والی تو نہیں، اگر ماں بیمار ہے تو کیا ہوا؟ کسی نہ کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا ہوتا ہی ہے، اس لیے اس ضرورت کے تحت گھر سے چلے جاؤ اور جاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے واپس آجاؤ۔ مگر وہاں تو اپنا شوق پورا کرنا پیش نظر نہیں تھا، اپنی ذاتی خواہش پوری کرنی نہیں تھی۔ بلکہ وہاں تو صرف اور صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا شوق تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو چھوڑ دیا۔ اور گھر میں ماں کی خدمت میں لگے رہے حتی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرسکے۔

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۲۷۳/۹ طبع دار ہجر۔

ماں کی خدمت کا صلہ

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ماں کی خدمت کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! کسی زمانے میں ''قرن'' یعنی یمن کے علاقے سے ایک آدمی مدینہ آئے گا۔ جس کے یہ اوصاف یہ حلیہ ہوگا، جب یہ آدمی تمہیں مل جائے تو اے عمر! اپنے حق میں ان سے دعا کرانا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائیں گے۔

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب بھی یمن سے کوئی قافلہ مدینہ طیبہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جا کر ان سے سوال کرتے کہ اس قافلے میں اویس قرنی نامی کوئی شخص ہیں؟ جب ایک مرتبہ قافلہ آیا اور آپ کو معلوم ہوگیا کہ اس میں اویس قرنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں۔ تو آپ بہت خوش ہوئے، جا کر ان سے ملاقات کی اور ان کا نام دریافت کیا اور جو حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ وہ حلیہ بھی موجود تھا، تو پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ مجھ سے دعا کرانے کیوں کر تشریف لائے ہیں؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب ''قرن'' سے یہ صاحب آئیں تو ان سے اپنے حق میں دعا کرانا، اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرمائیں گے[1]۔

دیکھیے! حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے حق میں دعا کراؤ۔ یہ چیز ان کو کس طرح حاصل ہوئی؟ یہ چیز ان کو والدہ کی خدمت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بدولت حاصل ہوئی۔

---

(۱) صحیح مسلم ۱۹۶۸/۴ (۲۵۴۲) والزہد لابن المبارک ۵۹/۲ طبع دار الکتب العلمیۃ۔

انہوں نے یہ دیکھا کہ میرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جس کا حکم دیا ہے، اب میں اس پر عمل کروں گا چاہے کچھ ہو جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانثاری

کون صحابی رضی اللہ عنہ ایسا تھا جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جانثار اور فدا کار نہ ہو، میں نے ایک مضمون میں ایک بات لکھی تھی اور وہ بات صحیح لکھی تھی کہ ہر صحابی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی جان دے کر کسی دوسرے کی زندگی میں اضافہ کرنے کے قابل ہوتا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک سانس کے اوپر ساری جانیں نچھاور کرنے کے لیے تیار ہو جاتے، وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اتنے فدا کار تھے ان کا تو یہ حال تھا کہ وہ کسی وقت یہ نہیں چاہتے تھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوۂ انور نگاہوں سے روپوش ہو۔ یہاں تک جنگ کے میدان میں بھی یہ بات گوارا نہیں تھی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جن کو جنگ احد میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تلوار عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ جب دشمنوں کی طرف مقابلے کے لیے نکلے تو اس وقت دشمنوں کی طرف سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ آرہی تھی۔ اس وقت حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تیروں کی طرف پشت کر کے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چہرہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ اور سارے تیر اپنی پشت پر روکنے لگے اور حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لیے سارے تیر اپنی پشت پر لینے لگے۔ سینے پر اس لیے نہ لیے کہ اگر تیروں کو اپنے سینے پر سامنے روکتے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہوتی اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ جہاں آراء نظروں سے اوجھل ہو جاتا، لہٰذا جنگ کی حالت میں بھی یہ احتیاط ہے کہ پشت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ

ہو، بلکہ پشت تیروں کی طرف رہے۔ اور چہرہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو(۱)۔

بہرحال! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو اپنا ایک ایک لمحہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارنے کے لیے بے چین تھے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو شام بھیج دیا، کسی کو یمن بھیج دیا، کسی کو مصر بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ وہاں جاکر میرے دین کا پیغام پہنچاؤ۔ جب یہ حکم آگیا تو اب حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کا شوق قربان کردیا۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا اور مدینہ طیبہ سے روانہ ہوگئے۔

ہمارے حضرت والا ایک عجیب بات بیان فرمایا کرتے تھے، یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ

> ''دین وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہ دیکھو کہ اس وقت کیا تقاضا ہے؟ وہ کام انجام دو، لہٰذا اگر وقت کا تقاضا والدین کی خدمت ہے تو جہاد بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے۔ تبلیغ بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے، پھر نماز باجماعت بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے، چاہے ان سب عبادات کے اپنے فضائل کتنے زیادہ ہوں اس لیے ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے۔''

والدین کی خدمت گزاری کی اہمیت

والدین کی خدمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی ۸/۱۹ (۱۳) وقال الهيثمي في "المجمع" ۱۶۳/۶ (۱۰۰۸۰): رواه الطبراني، وفيه من لم أعرفه.

نے یہ بیان فرمادیا کہ والدین کی خدمت ساری عبادتوں پر مقدم ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں والدین کی خدمت کے بارے میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد آیات نازل فرمائیں، چنانچہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (۱)

ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کی نصیحت کی کہ (والدین کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو)

ایک اور دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (۲)

اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

دیکھئے! اس آیت مبارک میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو توحید کے ساتھ ملا کر ذکر کیا کہ اللہ کے ساتھ توحید اور والدین کے ساتھ حسن سلوگ گویا کہ توحید کے بعد انسان پر سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

جب والدین بوڑھے ہوجائیں تو پھر

اس کے آگے کیا خوبصورت انداز میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا

(۱) سورۃ العنکبوت آیت (۸)۔
(۲) سورۃ الاسراء آیت (۲۳)۔

أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا

اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے میں پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو۔ اور نہ انہیں جھڑکو، بلکہ ان کے ساتھ عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔

اس آیت میں بڑھاپے کا ذکر اس لیے کیا کہ جب ماں باپ بوڑھے ہوجاتے ہیں تو بڑھاپے کے اثر سے بعض اوقات ذہن نارمل نہیں (Normal) رہتا۔ اور اس کی وجہ سے بعض اوقات غلط سلط باتوں پر اصرار بھی کرتے ہیں، اس لیے خاص طور پر بڑھاپے کا ذکر کیا ہے چاہے ماں باپ وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو تمہارے خیال میں غلط اور ناحق ہی کیوں نہ ہوں، لیکن تمہارا کام یہ ہے کہ ''اف'' بھی مت کہو، اور ان سے جھڑک کر بات نہ کرنا، اور ان سے ہمیشہ عزت کے ساتھ بات کرنا، اور آگے فرمایا:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (۱)

اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجزی اور انکساری سے جھکاؤ اور یہ دعا کرتے رہو کہ یا ربّ! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجیے۔

بڑھاپے کے اندر اگر ماں باپ کے مزاج میں ذرا سا چڑ چڑا پن پیدا ہوگیا

---

(۱) سورۃ الاسراء آیت (۲۴)۔

تو اس سے گھبرا کر ''اف'' مت کہو، اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔

سبق آموز واقعہ

میں نے ایک کتاب میں قصہ پڑھا تھا معلوم نہیں کہ سچا ہے یا جھوٹا، لیکن بڑا سبق آموز واقعہ ہے وہ یہ ایک صاحب بوڑھے ہوگئے، انہوں نے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلا کر فاضل بنا دیا۔ ایک دن گھر کے صحن میں باپ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک کوّا گھر کی دیوار پر آ کر بیٹھ گیا، تو باپ نے بیٹے سے پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! یہ کوّا ہے، پھر تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پوچھا کہ بیٹے! یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! ابھی تو آپ کو بتایا تھا کہ یہ کوّا ہے، تھوڑی دیر گزرنے کے بعد پھر باپ نے پوچھا کہ بیٹا! یہ کیا ہے؟ اب بیٹے کے لہجے میں تبدیلی آگئی اور اس نے جھڑک کر کہا کہ ابا جان! کوّا ہے کوّا، پھر تھوڑی دیر کے بعد باپ نے پوچھا کہ بیٹا! یہ کیا ہے۔ اب بیٹے سے رہا نہ گیا۔ اس نے کہا کہ آپ ہر وقت ایک بات پوچھتے رہتے ہیں، ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ یہ کوّا ہے؟ آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔ بہرحال! اس طرح بیٹے نے باپ کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باپ اپنے کمرے میں اٹھ کر گیا اور ایک پرانی ڈائری نکال کر لایا، اس ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر بیٹے کو دکھاتے ہوئے کہا کہ بیٹا! یہ ذرا پڑھو کیا لکھا ہے؟ چنانچہ اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آج میرا چھوٹا بیٹا صحن میں تھا اور میں بھی بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک کوا آ گیا، تو بیٹے نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا کہ ابا جان یہ کیا ہے؟ تو میں نے ۲۵ مرتبہ اس کو جواب دیا کہ بیٹا یہ کوّا ہے اور اس کی اس ادا پر بڑا پیار آیا۔ اس کے پڑھنے کے بعد باپ نے کہا: بیٹا! دیکھو! باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے، جب تم بچے تھے تو تم

نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا اور میں نے ۲۵ مرتبہ بالکل اطمینان سے نہ صرف جواب دیا، بلکہ میں نے اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے اس کی ادا پر بڑا پیار آیا، آج جب میں نے تم سے صرف ۵ مرتبہ پوچھا تو تمہیں اتنا غصہ آگیا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

بہرحال! اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھو! کہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کے بعد ماں باپ کے اندر تھوڑا سا چڑچڑا پن بھی پیدا ہوجائے گا۔ ان کی بہت سی باتیں ناگوار بھی معلوم ہوں گی، لیکن اس وقت تم یہ یاد رکھنا کہ تمہارے بچپن میں اس سے کئی زیادہ ناگوار باتیں تمہارے ماں باپ نے برداشت کی ہیں۔ لہٰذا تمہیں بھی ان کی ناگوار باتوں کو برداشت کرنا ہے، یہاں تک کہ اگر ماں باپ کافر بھی ہوں تو ان کے بارے میں بھی قرآنِ کریم نے فرمایا:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ
فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا(۱)

اور اگر وہ تم پہ زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں)
شریک قرار دو جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی
بات مت مانو، اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے رہو۔

یعنی اگر تمہارے والدین کافر مشرک ہوں، تو پھر شرک میں تو ان کی اطاعت مت کرنا، لیکن عام زندگی کے اندر ان کے ساتھ حسن سلوک پھر بھی ضروری ہے، اس لیے کہ اگرچہ وہ کافر ہیں، لیکن تمہارے والدین ہیں، تو والدین

---

(۱) سورۃ لقمان آیت (۱۵)۔

کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی تاکید فرمائی ہے، آج کی دنیا ہر معاملے میں الٹی جارہی ہے، اب تو باقاعدہ اس بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ والدین کی اطاعت، ان کا احترام اور ان کی عظمت کا نقش اولاد کے دلوں سے مٹایا جائے، اور باقاعدہ اس کی تربیت ہورہی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ماں باپ بھی انسان ہیں، اور ہم بھی انسان ہیں، ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے، ان کا ہم کیا حق ہے؟

جب انسان دین سے دور ہوجاتا ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ ماند پڑجاتا ہے، اور آخرت کی فکر ختم ہوجاتی ہے، تو اس وقت اس قسم کی باتیں پیدا ہوجاتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

والدین کی نافرمانی کا وبال

بہرحال! عرض کرنا تھا کہ والدین کی اطاعت واجب ہے، اگر والدین کسی کام کا حکم دیں تو وہ کام کرنا اولاد کے ذمے شرعاً فرض ہوجاتا ہے، اور بالکل ایسا فرض ہوجاتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے، بشرطیکہ ماں باپ جس کام کا حکم دے رہے ہیں وہ شرعاً جائز ہو اور اگر اولاد وہ کام نہ کرے تو ایسا گناہ ہے جیسا نماز چھوڑ دینا گناہ ہے، اسی کو ”عقوق الوالدین“ کہا جاتا ہے، یعنی والدین کی نافرمانی اور بزرگوں نے فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کا وبال یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

عبرت ناک واقعہ

ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کی موت کا وقت آگیا۔ اور نزع کا وقت

ہے، سب لوگ یہ کوشش کرر ہے ہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے۔ مگر زبان سے کلمہ جاری نہیں ہوتا۔ چنانچہ لوگ ایک بزرگ کو لائے، ان سے پوچھا کہ اس کا کیا حل نکالا جائے اس کی زبان سے کلمہ جاری نہیں ہورہا ہے، ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر اس کی والدہ یا والد حیات ہوں تو ان سے اس کے لیے معافی مانگو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے والدین کی نافرمانی کی ہے، اس کے نتیجے میں اس پر یہ وبال آیا ہے، اور جب تک ان کی طرف سے معافی نہیں ہوگی، اس وقت تک اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوگا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ والدین کی نافرمانی کرنا اور ان کا دل دکھانا کتنی خطرناک اور وبال کی چیز ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر قدم پر اپنی تعلیمات میں والدین کا احترام، ان کے ساتھ حسن سلوک کا لحاظ رکھا۔ جو صحابی رضی اللہ عنہ آپ سے مشورہ کرنے آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو والدین سے حسن سلوک کا مشورہ دیتے۔

علم کے لیے والدین کی اجازت

ہمارے ہاں دارالعلوم میں بعض مرتبہ طالب علم داخلے کے لیے آتے ہیں ان کو پڑھنے کا شوق ہے، عالم بننے اور درسِ نظامی سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہونے کا شوق ہے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ والدین کی اجازت سے آئے ہو؟ تو معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر آئے ہیں، اور وہ یہ کہتے کہ ہم کیا کریں والدین ہمیں اجازت نہیں دے رہے تھے، اس لیے ہم بغیر اجازت چلے آئے ہیں، میں ان سے کہتا ہوں کہ یاد رکھیں! مولوی بننا کوئی فرض نہیں، والدین کی اطاعت کرنا فرض ہے، ہاں! اگر والدین اتنا علم حاصل کرنے

سے روک دیں جس سے انسان ایک مسلمان جیسی زندگی گزار سکے۔ مثلاً نماز کا طریقہ سیکھنے سے روکیں، تو اس صورت میں والدین کی اطاعت نہیں، لیکن مولوی بننا (پورے دین کا علم حاصل کرنا) فرض و واجب نہیں، لہٰذا جب تک والدین اس کی اجازت نہ دیں اس وقت تک وہ نہ کرے، اور اگر اجازت کے بغیر مولوی بننے لگے گا تو وہی بات ہوگی جو ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا۔ یہ دین کا کام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

جنت حاصل کرنے کا آسان راستہ

یاد رکھو! جب تک والدین حیات ہیں تو وہ اتنی بڑی نعمت ہیں کہ اس روئے زمین پر انسان کے لیے اس سے بڑی کوئی اور نعمت نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''اگر ماں باپ کو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھ لو تو ایک مقبول حج کا ثواب ہے۔''(۱)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

> ''مردود ہو وہ شخص جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت

---

(۱) مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا ص ۷۴(۲۱۵) ۔وشعب الایمان للبیہقی ۲۶۵/۱۰ (۷۴۷۲) ومعجم اسامی شیوخ ابی بکر الاسماعیلی ۳۲۰/۱۔والتدوین للرافعی ۴۲۳/۳۔والحدیث مذکور فی الجامع الصغیر للسیوطی ۱۶۱۵/۴ (۸۰۴۳) برمز الضعف۔وسکت المناوی عن اسنادہ فی ''فیض القدیر'' ۴۸۳/۵ و''التیسیر'' ۳۶۲/۲۔

میں پائے پھر وہ ان کی خدمت کر کے اپنے گناہ معاف نہ کرا کے۔"(۱)

اس لیے کہ ماں باپ بوڑھے ہیں تو جنت حاصل کرنا اتنا آسان ہے، جس کی کوئی حد نہیں، بس ذرا سی ان کی خدمت کرلو گے تو ان کے دل سے دعا نکل جائے گی۔ اور تمہاری آخرت سنور جائے گی۔ بہانے بہانے سے جنت کما سکتے ہو۔ بہر حال! والدین جب تک حیات ہوں ان کو نعمت سمجھ کر ان کی قدر کریں، اس لیے کہ جب والدین اٹھ جاتے ہیں تو اس وقت حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے زندگی کے اندر ان کی کوئی قدر نہ کی، ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے جنت نہ کمائی، بعد میں افسوس ہوتا ہے۔

والدین کی وفات کے بعد تلافی کی صورت

اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد اولاد کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم نے کتنی بڑی نعمت کھودی، اور ہم نے اس کا حق ادا نہ کیا، اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ رکھا ہے، فرمایا کہ اگر کسی نے والدین کے حقوق میں کوتاہی کی ہو، اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، تو اس کی تلافی کے دو راستے ہیں، ایک ان کے لیے ایصال ثواب کی کثرت کرنا۔ جتنا ہو سکے ان کو ثواب پہنچائیں۔ صدقہ دے کر ہو، نوافل پڑھ کر ہو، یا قرآن کی تلاوت کے ذریعہ ہو، اس کے ذریعہ اس کی تلافی ہوجاتی ہے، دوسرے یہ کہ والدین کے

---

(۱) المعجم الکبیر ۱۴۴/۱۹ (۳۱۵) والمستدرک للحاکم ۱۷۰/٤ (۷۲۵۶) وقال هذا حديث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ووافقہ الذهبی فی "التلخیص"

اعزاء، اقرباء دوست احباب ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا باپ کے ساتھ کرنا چاہیے اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کی تلافی فرمادیتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !!

ماں کے تین، باپ کا ایک حق

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! "مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟" قَالَ: "أُمُّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمُّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمُّكَ"، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أَبُوكَ"(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ساری دنیا میں سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ کس کے ساتھ میں سب سے زیادہ اچھا سلوک کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری ماں، (یعنی سارے انسانوں میں سب سے زیادہ تمہارے حسن سلوک کی مستحق تمہاری ماں ہے) ان صاحب

---

(۱) صحيح البخاری ۲/۸ (۵۹۷۱) وصحيح مسلم ۱۹۷۴/۴ (۲۵٤۸) ورياض الصالحين ص ۱۳۰(۳۱٦)۔

نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ جواب دیا: تمہاری ماں۔ ان صاحب نے پھر سوال کیا اس کے بعد کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جواب دیا تمہاری ماں۔ ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ تو چوتھے نمبر پر فرمایا: تمہارا باپ۔

تین مرتبہ ماں کا نام لیا اور آخر میں چوتھے نمبر پر باپ کا نام لیا، اس واسطے علماءِ کرام نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ ماں کا حق حسن صحبت میں باپ سے بھی زیادہ ہے ماں کے تین حق ہیں، اور باپ کا ایک حق ہے اس لیے کہ بچے کی پرورش کے لیے ماں جتنی مشقتیں جھیلتی ہے، باپ اس کا چوتھائی بھی نہیں جھیلتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے رسول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصے ماں کے بیان فرمائے۔ اور ایک حصہ باپ کا بیان فرمایا۔

باپ کی تعظیم، ماں کی خدمت

اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا ہو تو ماں کو زیادہ دینا چاہیے، بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ دو چیزیں علیحدہ ہیں، ایک ہے "تعظیم" اس میں باپ کا حق ماں پر مقدم ہے، اور دوسری چیز ہے "حسنِ سلوک" اور "خدمت" اس میں ماں کا حق باپ پر مقدم ہے۔ "تعظیم" کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس کی عظمت زیادہ ہو، اس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، اس کے سرہانے نہ بیٹھے یا جو تعظیم کے آداب ہیں، اس میں باپ کا حق مقدم ہے، لیکن جہاں تک خدمت کا تعلق ہے، اس میں ماں کا حق مقدم ہے۔ اور باپ کے

مقابلے میں تین چوتھائی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ماں کے اندر یہ بات رکھی ہے کہ ماں کے ساتھ اولاد کی بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے، بہت سی باتیں بیٹا کھل کر باپ سے نہیں کہہ سکتا، لیکن ماں کے سامنے وہ کہہ دیتا ہے تو شریعت نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بزرگوں کا بیان کیا ہوا یہ اصول لکھا ہے کہ اولاد باپ کی تعظیم زیادہ کرے، اور ماں کی خدمت زیادہ کرے (۱)، اس اصول کے ذریعہ احادیث کے درمیان تطبیق بھی ہوجاتی ہے۔

ماں کی خدمت کا نتیجہ

بہر حال! ماں کی خدمت وہ چیز ہے جو انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچادیتی ہے، جیسا کہ آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں دیکھا، اور بھی بہت سارے بزرگوں کا یہی حال ذکر کیا گیا، مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک عرصہ تک صرف ماں کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کرسکے، لیکن بعد میں جب ان کی خدمت سے فارغ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے علم کے اندر بہت اونچا مقام عطا فرمایا ہے، لہٰذا اس کی خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَقْبَلَ رَجُلٌ إِلَى نَبِيِّ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: أُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ أَبْتَغِي الأَجْرَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى، قَالَ: "فَهَلْ

(۱) فتح الباری ۱۰/۴۰۲۔

مِنْ وَالِدَيْكَ أَحَدٌ حَيٌّ؟" قَالَ: نَعَمْ! بَلْ كِلَاهُمَا، قَالَ: "فَتَبْتَغِي الأَجْرَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى؟" قَالَ: نعمْ، قَالَ: "فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْكَ، فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا" (۱)

واپس جا کر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو

یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس دو چیزوں کی بیعت کرنے آیا ہوں، ایک ہجرت اور ایک جہاد پر، یعنی اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں رہنے کے لیے ہجرت کے ارادے سے آیا ہوں، اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے کی نیت سے آیا ہوں اور میں اپنے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طلب گار ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں! بلکہ والد اور والدہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم واقعی اجر و ثواب چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ

> ''میرے ساتھ جہاد کرنے کے بجائے تم اپنے والدین کے پاس جاؤ، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

(۱) صحیح مسلم ۱۹۷۵/۴ (۲۵۴۹) و ریاض الصالحین ص ۱۳۱ (۳۲۱)۔

جا کر ماں باپ کو ہنساؤ

دیکھئے! اس حدیث میں اپنے ساتھ جہاد کرنے کی فضیلت کو والدین کے ساتھ حسن سلوک پر قربان فرمادیا، اور ان کو واپس فرمادیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کی تیاری ہورہی تھی، ایک صاحب حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں شرکت کرنے کا اتنا سچا طالب ہوں کہ جہاد میں شرکت کے لیے اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں، مطلب یہ تھا کہ میرے والدین مجھے نہیں چھوڑ رہے تھے، اور مجھے جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دے رہے تھے، لیکن اس کے باوجود میں ان کو اس حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں، کہ وہ میری جدائی کی وجہ سے رور ہے تھے، تو آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا:

"ارْجِعْ فَاَضْحِكْهُمَا كَمَا اَبْكَيْتَهُمَا"(۱)

واپس جاؤ اور ان کو جس طرح روتا ہوا چھوڑا تھا، اب جا کر ان کو ہنساؤ اور ان کو راضی کرو، تمہیں میرے ساتھ جہاد پر جانے کی اجازت نہیں۔

دین "حفظ حدود" کا نام

یہ ہے حفظ حدود، اسی لیے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دین

---

(۱) مسند احمد ۳۰/۱۱ (۶٤۹۰) وسنن ابن ماجه ۳۲۷/٤ (۲۷۸۲) والحديث ذكره ابن الملقن في "خلاصة البدر المنير" ۳۳٦/۲ وقال صحيحة رواها أبو داود، والنسائي، وابن ماجه۔ طبع مكتبة الرشد۔

نام ہے ''حفظ حدود'' کا، یہ کوئی دین نہیں کہ جب جہاد کی فضیلت سن لی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جہاد کرنے کے لیے روانہ ہوگئے، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی رعایت کرتے ہوئے ہر موقع پر کام کرنا ہوتا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگ یک باگے ہوگئے ہیں، جیسے اگر گھوڑے کی ایک باگ ہو تو وہ صرف ایک ہی طرف چلے گا۔ دوسری طرف دھیان بھی نہیں دے گا، اسی طرح لوگ بھی یک باگ ہوگئے، یعنی جب یہ سن لیا کہ فلاں کام بڑی فضیلت والا ہے بس اس کی طرف دوڑ پڑے۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ ہمارے ذمے اور کیا حقوق واجب ہیں اور دوسرے کاموں کی کیا حد ہے؟

اہل اللہ کی صحبت

اور یہ ''حفظ حدود'' کی بات عادتاً اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک کسی اللہ والے کی صحبت میسر نہ آئے، زبان سے میں نے بھی کہہ دیا، اور آپ نے بھی سن لیا، کتابوں میں یہ بات لکھی ہے، لیکن کس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے، اور کس موقع پر کس چیز کو ترجیح دینی ہے، یہ بات کسی کامل شیخ کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اور آدمی افراط وتفریط میں ہی مبتلا رہتا ہے، شیخ کامل ہی بتاتا ہے کہ اس وقت کیا کام کرنا ہے، وہ بتاتا ہے کہ اس وقت میرے لیے کیا چیز بہتر ہے؟ اور کیا چیز بہتر نہیں؟ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اصلاح کے لیے لوگ آتے تو آپ بہت سے لوگوں کے وظیفے چھڑا دیتے، اور دوسرے کاموں پر لگا دیتے، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ اس کام پر لگا رہے گا تو حدود کی حفاظت نہیں کر پائے گا۔

شریعت، سنت، طریقت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ''حقوق'' تمام تر شریعت ہے، یعنی شریعت حقوق کا نام ہے، اللہ کے حقوق، اور بندوں کے حقوق اور ''حدود'' تمام تر سنت ہے یعنی سنت سے پتہ چلتا ہے کہ کس حق کی کیا حد ہے، حق اللہ کی حد کہاں تک ہے، اور حق العبد کی حد کہاں تک ہے اور حضورِ اقدس ﷺ کی سنتیں یہ بتاتی ہیں کہ کس حق پر کس حد تک عمل کیا جائے گا اور ''حفظِ حدود'' تمام تر طریقت ہے، یعنی طریقت جس کو تصوف اور سلوک کہا جاتا ہے۔ ان حدود کی حفاظت کا نام ہے یعنی وہ حدود جو سنت سے ثابت ہیں، ان کی حفاظت تصوف اور سلوک کے ذریعہ ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''شریعت'' تمام تر حقوق، ''سنت'' تمام تر حدود اور ''طریقت'' تمام تر حفظِ حدود، بس! اگر یہ تین چیزیں حاصل ہوجائیں تو پھر کسی چیز کی حاجت نہیں، لیکن عادتاً یہ چیزیں اس وقت تک حاصل نہیں ہوتیں، جب تک انسان کسی اللہ والے کے سامنے رگڑے نہ کھائے، اور کسی شیخ کامل کے حضور اپنے آپ کو پامال نہ کرے۔

قال را بگزار صاحب حال شو
پیشِ مردے کاملے پامال شو

جب تک آدمی کسی مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال نہیں کرے گا، اس وقت تک یہ بات حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ افراط وتفریط ہی میں مبتلا رہے گا۔ کبھی ادھر جھک گیا، کبھی ادھر جھک گیا۔ سارے تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ

انسان کو افراط وتفریط سے بچائے اور اسے اعتدال پر لائے، اور اس کو یہ بتائے کہ کس وقت دین کا کیا تقاضا ہے؟ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!!

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

بیوی کے حقوق اور اس کی حیثیت

(اصلاحی خطبات ۲/۲۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیوی کے حقوق اور اس کی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۱)

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۱۹)۔

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (۱)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْراً، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ مَا فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ، لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ» (۲)

حقوق العباد کی اہمیت

ان آیاتِ قرآنیہ اور حدیث نبوی کی روشنی میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ حقوق العباد کا بیان شروع فرمارہے ہیں یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کے جو حقوق ضروری قرار دیے ہیں اور جن کے تحفظ کا حکم دیا ہے۔ ان کا بیان یہاں سے شروع فرمارہے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بار بار عرض کرچکا ہوں کہ ''حقوق العباد'' دین کا بہت اہم شعبہ ہے اور یہ اتنا اہم شعبہ ہے کہ ''حقوق اللہ'' توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں، یعنی اگر خدانخواستہ حقوق اللہ سے متعلق کوئی کوتاہی سرزد ہوجائے (خدا نہ کرے) تو اس کا علاج بہت آسان ہے کہ انسان کو جب کبھی اس پر ندامت پیدا ہو تو توبہ و استغفار کرلینے سے معاف ہوجاتے ہیں، لیکن بندوں کے حقوق ایسے ہیں کہ اگر ان

(۱) سورۃ النساء آیت (۱۲۹)۔

(۲) صحیح البخاری ۱۳۳/٤ (۳۳۳۱) وصحیح مسلم ۱۰۹۰/۲ (۱٤٦۸) ورياض الصالحين ص ۱۱۹ (۲۷۳)۔

میں کوتاہی ہو جائے تو اگر اس پر کبھی ندامت ہو اور اس پر توبہ استغفار کرے تب بھی وہ گناہ معاف نہیں ہوتے جب تک کہ حق دار کو اس کا حق نہ پہنچایا جائے یا جب تک صاحبِ حق اس کو معاف نہ کردے۔ اس لیے کہ حقوق العباد کا معاملہ بڑا سنگین ہے۔

حقوق العباد سے غفلت

حقوق العباد کا معاملہ جتنا سنگین ہے ہمارے معاشرے میں اس سے غفلت اتنی ہی عام ہے، ہم لوگوں نے چند عبادات کا نام دین رکھ لیا ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، تسبیح وغیرہ ان چیزوں کو تو ہم دین سمجھتے ہیں، لیکن حقوق العباد کو ہم نے دین سے خارج کیا ہوا ہے اور اسی طرح معاشرتی حقوق کو بھی دین سے خارج کر رکھا ہے اس میں اگر کوئی شخص کوتاہی یا غلطی کرتا ہے تو اس کو اس کی سنگینی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

غیبت حقوق العباد میں داخل ہے

اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ (خدا نہ کرے) کوئی مسلمان شراب نوشی کی لت میں مبتلا ہو، تو ہر وہ مسلمان جس کو ذرا سا بھی دین سے لگاؤ ہے وہ اس کو بُرا سمجھے گا اور خود وہ شخص بھی اپنے فعل پر نادم ہوگا کہ میں یہ ایک گناہ کا کام کر رہا ہوں لیکن ایک دوسرا شخص ہے جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ اس غیبت کرنے والے کو معاشرے میں شراب پینے والے کے برابر بُرا نہیں سمجھا جاتا اور نہ خود غیبت کرنے والا اپنے آپ کو گناہ گار اور مجرم خیال کرتا ہے۔ حالانکہ گناہ کے اعتبار سے شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے، غیبت کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے۔ بلکہ

غیبت اس لحاظ سے شراب پینے سے زیادہ سنگین ہے کہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اس لحاظ سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی مثال دی ہے کہ دوسرے گناہوں کی ایسی مثال نہیں دی۔ چنانچہ فرمایا کہ غیبت کرنے والا ایسا ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا (۱)، لیکن اتنی سنگینی کے باوجود یہ گناہ معاشرے میں عام ہوگیا ہے، شاید ہی کوئی مجلس اس گناہ سے خالی ہوتی ہو اور پھر اس کو برا بھی نہیں سمجھا جاتا گویا کہ دین کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

احسان ہر وقت مطلوب ہے

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہٗ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ایک دن فرمانے لگے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور آکر بڑے فخریہ انداز میں خوشی کے ساتھ کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ''احسان'' کا درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ ''احسان'' ایک بڑا درجہ ہے جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (۲)

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ جیسے کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم اس خیال کے ساتھ عبادت کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہے ہیں۔''

---

(۱) سورۃ الحجرات آیت (۱۲)۔

(۲) صحیح البخاری ۱/۱۹ (۵۰)۔

اس کو ''درجۂ احسان'' کہا جاتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو مبارک باد دی اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، یہ تو بہت بڑی نعمت ہے، البتہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو یہ ''احسان'' کا درجہ صرف نماز میں حاصل ہوتا ہے اور جب بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے ہو اس وقت بھی حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت بھی آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں؟ یا یہ خیال اس وقت نہیں آتا؟ وہ صاحب جواب میں فرمانے لگے کہ حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ جب عبادت کرے تو اس طرح عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسری چیزوں کے ساتھ احسان کا کوئی تعلق نہیں، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اسی لیے آپ سے یہ سوال کیا تھا اس لیے کہ آج کل عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ''احسان'' صرف نماز ہی میں مطلوب ہے یا ذکر و تلاوت ہی میں مطلوب ہے، حالانکہ احسان ہر وقت مطلوب ہے، زندگی کے ہر مرحلے اور شعبے میں مطلوب ہے، دکان پر بیٹھ کر تجارت کر رہے ہو وہاں پر ''احسان'' مطلوب ہے۔ یعنی دل میں یہ استحضار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں جب اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملات کر رہے ہو اس وقت بھی احسان مطلوب ہے۔ جب بیوی بچوں اور دوست و احباب اور پڑوسیوں سے معاملات کر رہے ہو اس وقت بھی یہ استحضار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، حقیقت میں ''احسان'' کا مرتبہ یہ ہے صرف نماز تک محدود نہیں ہے[1]۔

---

(۱) مذکورہ روایت کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں قَالَ: فَمَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: أَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ یعنی احسان یہ ہے کہ تم جو عمل بھی کرو تو اس دھیان کے ساتھ کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو یا کم از کم یہ دھیان ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو مسند احمد ۱/۳۱٤ (۱۸٤) و ۵/۹٤ (۲۹۲٤)۔ عنایت الرحمن عفی عنہ

وہ خاتون جہنم میں جائے گی

خوب سمجھ لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہماری زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ ہے، اسی واسطے روایت میں آتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاتون کے بارے میں پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! ایک خاتون ہے جو دن رات عبادت میں لگی رہتی ہے، نفل نماز اور ذکر و تلاوت بہت کرتی ہے اور ہر وقت اسی میں مشغول رہتی ہے، اس خاتون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ اس کا انجام کیسا ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام سے پوچھا کہ وہ خاتون پڑوسیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے؟ تو صحابہ کرام نے جواب دیا کہ پڑوسیوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں ہے۔ پڑوس کی خواتین اس سے خوش نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خاتون جہنم میں جائے گی۔

وہ خاتون جنت میں جائے گی

پھر ایک ایسی خاتون کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جو نفلی عبادت تو زیادہ نہیں کرتی تھی، صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرتی تھی اور زیادہ سے زیادہ سنت مؤکدہ ادا کرلیتی ہے۔ بس اس سے زیادہ نوافل، ذکر و تلاوت نہیں کرتی، مگر پڑوسیوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات اچھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خاتون جنت میں جائے گی(۱)۔

---

(۱) الادب للمفرد للبخاری ص۵٤ (۱۱۹) ومسند احمد ٤٢١/١٥ (٩٦٧٥) ومسند البزار ١٢٩/١٧ (٩٧١٣) وقال الهیثمی فی "المجمع" ٣٠٨/٨ (١٣٥٦٢) رواه احمد والبزار ورجاله ثقات۔

مفلس کون؟

ان احادیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ بات واضح فرمادی کہ اگر کوئی شخص نفلی عبادت کرے تو یہ بڑی اچھی بات ہے اور اگر نفلی عبادت نہ کرے تو آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے فلاں نفل عبادت کیوں نہیں کی؟ اس لیے کہ نفل کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کرے تو ثواب ملے گا اور اگر نہ کرے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا، لیکن حقوق العباد وہ چیز ہے کہ اس کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا اور اس پر جنت اور جہنم کا فیصلہ موقوف ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے روز بڑی مقدار میں نماز روزے لے کر آئے گا، لیکن دنیا میں کسی کا حق مار دیا، کسی کو بُرا کہہ دیا، کسی کی دل آزاری کردی تھی اور کسی کا دل دکھایا تھا۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ اعمال لے کر آیا تھا۔ وہ سارے کے سارے دوسرے کو دے دیے اور دوسروں کے گناہ اس پر ڈال دیے گئے۔ اس لیے حقوق العباد کا باب شریعت کا بہت اہم باب ہے[1]۔

حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے

اور یہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ ''اسلامی فقہ'' جس میں شریعت کے احکام بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کو اگر چار برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک حصہ عبادات کے بیان پر مشتمل ہے اور بقیہ تین حصے حقوق العباد کے بیان میں ہیں، یعنی معاملات اور معاشرت کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے ''ہدایہ''

---

(۱) صحیح مسلم ۱۹۹۷/٤ (۲۵۸۱)۔

کا نام سنا ہوگا جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد میں عبادات کا ذکر ہے۔ جس میں طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ باقی تین جلدیں معاملات، معاشرت اور حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے۔ اس لیے یہ بڑا اہم باب شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو عمل کے جذبے سے پڑھنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائے اور حقوق العباد کی اپنی رضا اور خوشنودی کے مطابق ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اسلام سے پہلے عورت کی حالت

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا باب یہ قائم فرمایا "باب الوصیۃ بالنساء" (۱) یعنی ان نصیحتوں کے بارے میں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق سے متعلق بیان فرمائی ہیں اور سب سے پہلے یہ باب اس لیے قائم فرمایا کہ سب سے زیادہ بے اعتدالیاں اور سب سے زیادہ کوتاہیاں اس حق میں ہوتی ہیں۔ جب تک اسلام نہیں آیا تھا اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نہیں آئی تھیں، اس وقت تک عورت کو ایسی مخلوق سمجھا جاتا تھا جو معاذ اللہ گویا انسانیت سے خارج ہے اور اس کے ساتھ بھیڑ بکریوں جیسا سلوک ہوتا تھا، اس کو انسانیت کے حقوق دینے سے لوگ انکار کرتے تھے۔ کسی بھی معاملے میں اس کے حقوق کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا جیسے کسی نے اپنے گھر میں بھیڑ بکری پال لی۔ بالکل اسی طریقے سے اپنے گھر میں ایک عورت کو لاکر بٹھادیا۔ سلوک کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

---

(۱) ریاض الصالحین ص (۱۹۹)۔

خواتین کے ساتھ حسن سلوک

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اس دنیا کو جو آسمانی ہدایات سے بے خبر تھی خواتین کے حقوق کا احساس دلایا کہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے قرآنِ کریم کی ایک آیت نقل فرمائی۔ جو اس باب میں جامع ترین آیت ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۱)

اس میں تمام مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم خواتین کے ساتھ ''معروف'' یعنی نیکی کے ساتھ، اچھا سلوک کر کے زندگی گزارو۔ ان کے ساتھ اچھی معاشرت برتو، ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، یہ عام ہدایت ہے، یہ آیت گویا اس باب کا متن اور عنوان ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تشریح اپنے اقوال اور افعال سے فرمائی اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کے ساتھ حسن سلوک کا اس درجہ اہتمام تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ وَاَنَا خِيَارُكُمْ لِاَهْلِي''(۲)

''تم میں سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی خواتین اور

---

(۱) سورۃالنساءآیت(۱۹)۔

(۲) سنن ابن ماجه ۳/۳۹٦ (۱۹۷۸) مختصرا بلفظ: خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ وقال البوصيري في ''مصباح الزجاجة'' (۱۱۸/۲): هذا إسناد صحيح رجاله ثقات، وله شاهد من حديث أبي هريرة، رواه البزار في مسنده، والترمذي في الجامع، وقال: حديث حسن، قال: وفي الباب عن عائشة رضي الله عنها، وابن عباس رضي الله عنهما. وفي رواية آخر لابن ماجه(۱۹۷۷): خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي وانظر سنن الترمذي ۳/٤٥۸(۱۱٦۲) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور میں تم میں اپنی خواتین اور گھر کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنے والا ہوں۔"

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کے حقوق کی نگہداشت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا اتنا اہتمام تھا کہ بے شمار احادیث میں اس کی تشریح فرمائی۔ چنانچہ سب سے پہلی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا[1]

میں تم کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں، تم میری اس نصیحت کو قبول کرلو۔

قرآنِ کریم صرف اُصول بیان کرتا ہے

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک بات عرض کردوں کہ قرآنِ کریم میں آپ یہ دیکھیں گے کہ عام طور پر قرآنِ کریم موٹے موٹے اُصول بیان کردیتا ہے، تفصیلات اور جزئیات میں نہیں جاتا۔ انہیں بیان نہیں کرتا، یہاں تک کہ نماز جیسا اہم رُکن جو دین کا ستون ہے، جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے تہتر مقامات پر حکم دیا کہ نماز قائم کرو، لیکن نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہوتا ہے؟ اس کی رکعتیں کتنی ہوتی ہیں؟ اور کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتی؟ یہ تفصیلات قرآنِ کریم نے بیان نہیں کیں یہ

(۱) صحیح البخاری ۱۳۳/٤ (۳۳۳۱)۔

حضورِ اقدس ﷺ کی تعلیمات پر چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے سنت سے بیان فرمائیں، اسی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی قرآنِ کریم میں کم و بیش اتنی ہی مرتبہ آیا ہے، لیکن زکوٰۃ کا نصاب کیا ہوتا ہے؟ کس پر فرض ہوتی ہے؟ کتنی فرض ہوتی ہے؟ کن کن چیزوں پر فرض ہوتی ہے؟ یہ تفصیلات قرآنِ کریم نے بیان نہیں کیں، بلکہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر چھوڑ دیں۔ معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم عام طور پر اُصول بیان کرتا ہے۔ تفصیلی جزئیات میں نہیں جاتا۔

گھریلو زندگی پورے تمدّن کی بنیاد ہے

لیکن مرد و عورت کے تعلقات، خاندانی تعلقات ایسی چیز ہے کہ قرآنِ کریم نے اس کے نازک نازک جزوی مسائل بھی صراحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ ایک ایک چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور پھر بعد میں نبی کریم ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ مرد و عورت کے جو تعلقات ہیں اور انسان کی جو گھریلو زندگی ہے یہ پورے تمدن کی بنیاد ہوتی ہے اور اس پر پورے تہذیب و تمدن کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر مرد و عورت کے تعلقات استوار ہیں، خوشگوار ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو اس سے گھر کا نظام درست ہوتا ہے اور گھر کا نظام درست ہونے سے اولاد درست ہوتی ہے اور اولاد کے درست ہونے سے معاشرہ سنورتا ہے اور اس پر پورے معاشرے کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، لیکن اگر گھر کا نظام خراب ہو اور میاں بیوی کے درمیان رات دن تو تو میں میں ہوتی ہو۔ تو اس سے اولاد پر بُرا اثر پڑے گا اور اس کے نتیجے میں جو قوم تیار ہوگی اس کے بارے میں آپ تصور

کر سکتے ہیں کہ کسی شائستہ قوم کے افراد بن سکتے ہیں یا نہیں۔ اس واسطے اس کو ''عائلی احکام'' یعنی گھرداری کے احکام کہا جاتا ہے اس لیے قرآنِ کریم نے ان تعلقات کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بیان فرمایا ہے۔

عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہونے کا مطلب

اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ نے بہت اچھی تشبیہ بیان فرمائی ہے اور یہ اتنی عجیب وغریب اور حکیمانہ تشبیہ ہے کہ ایسی تشبیہ ملنا مشکل ہے۔ فرمایا کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حوا علیہا السلام کو انہی کی پسلی سے پیدا کیا گیا[1] اور بعض علماء نے اس کی دوسری تشریح یہ بھی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عورت کی تشبیہ دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ عورت کی مثال پسلی کی سی ہے، کہ جس طرح پسلی دیکھنے میں ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے، لیکن پسلی کا حسن اور اس کی صحت اس کے ٹیڑھا ہونے میں ہی ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ پسلی ٹیڑھی ہے اس کو سیدھا کر دوں تو جب اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو وہ سیدھی تو نہیں ہوگی البتہ ٹوٹ جائے گی وہ پھر پسلی نہیں رہے گی اب دوبارہ پھر اس کو ٹیڑھا کر کے پلستر کے ذریعے جوڑنا پڑے گا۔ اسی طرح حدیث شریف میں عورت کے بارے میں یہی فرمایا کہ

اِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمَهَا كَسَرْتَهَا[2]

---

(۱) ملاحظہ ہو فتح الباری ۹/۲۵۳ طبع دار المعرفة۔
(۲) صحیح مسلم ۲/۱۰۹۱ (۱٤٦٨)۔

''اگر تم اسی پسلی کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ پسلی ٹوٹ جائے گی''۔

وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ(۱)

''اور اگر اس سے فائدہ اُٹھانا چاہو تو اس کے ٹیڑھے ہونے کے باوجود فائدہ اُٹھاؤ گے''

یہ بڑی عجیب و غریب اور حکیمانہ تشبیہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ اس کی صحت ہی اس کے ٹیڑھے ہونے میں ہے اگر وہ سیدھی ہوگی تو وہ بیمار ہے صحیح نہیں ہے۔

یہ عورت کی مذمت کی بات نہیں ہے

بعض لوگ اس تشبیہ کو عورت کی مذمت میں استعمال کرتے ہیں کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، لہٰذا اس کی اصل ٹیڑھی ہے، چنانچہ میرے پاس بہت سے لوگوں کے خطوط آتے ہیں جس میں کئی لوگ یہ لکھتے ہیں کہ یہ عورت ٹیڑھی پسلی کی مخلوق ہے۔ گویا کہ اس کو مذمت اور بُرائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا منشا یہ نہیں ہے۔

عورت کا ٹیڑھا پن ایک فطری تقاضا ہے

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو کچھ اور اوصاف دے کر پیدا فرمایا ہے اور عورت کو کچھ اور اوصاف دے کر پیدا فرمایا۔ دونوں کی فطرت اور سرشت میں فرق ہے، سرشت میں فرق ہونے کی وجہ سے مرد عورت کے بارے میں یہ محسوس

---

(۱) صحیح مسلم ۲/۱۰۹۱(۱۴٦۸)۔

کرتا ہے کہ یہ میری طبیعت اور فطرت کے خلاف ہے، حالانکہ عورت کا تمہاری طبیعت کے خلاف ہونا یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ ٹیڑھی ہو۔ کوئی شخص پسلی کے بارے میں یہ کہے کہ پسلی کے اندر جو ٹیڑھا پن ہے وہ اس کے اندر عیب ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ عیب نہیں ہے بلکہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ ٹیڑھی ہو، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر تمہیں عورت میں کوئی ایسی بات نظر آتی ہے جو تمہاری طبیعت کے خلاف ہو اور اس کی وجہ سے تم اس کو ٹیڑھا سمجھ رہے ہو تو اس کو اس بناء پر کنڈم نہ کرو بلکہ یہ سمجھو کہ اس کی فطرت کا مقتضیٰ یہ ہے اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر فائدہ اُٹھانا چاہو گے تو ٹیڑھا ہونے کی حالت میں بھی فائدہ اُٹھا سکو گے۔

"غفلت" عورت کے لیے حسن ہے

آج اُلٹا زمانہ آگیا ہے، اس واسطے قدریں بدل گئیں ہیں، خیالات بدل گئے ہیں، ورنہ بات یہ ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب ہے، بسا اوقات وہ عورت کے حق میں حسن اور اچھائی ہوتی ہے اگر ہم قرآنِ کریم کو غور سے پڑھیں تو قرآنِ کریم سے یہ بات نظر آجاتی ہے کہ جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی وہی چیز عورت کے بارے میں حسن قرار دی گئی۔ اس کو نیکی اور اچھائی کی بات کہا گیا۔ مثلاً مرد کے حق میں یہ بات عیب ہے کہ وہ جاہل اور غافل ہو اور دنیا کی اس کو خبر نہ ہو، اس لیے کہ مرد پر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کاموں کی ذمہ داری رکھی ہے۔ اس لیے اس کے پاس علم بھی ہونا چاہیے اور اس کو باخبر بھی ہونا چاہیے۔ اگر باخبر نہیں ہے بلکہ غافل ہے اور غفلت میں مبتلا ہے تو یہ مرد کے حق میں عیب

ہے، لیکن قرآنِ کریم نے غفلت کو عورت کے حق میں حسن قرار دیا۔ چنانچہ سورۂ نور میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ (۱)

”یعنی وہ لوگ جو ایسی عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں جو پاکدامن ہیں اور غافل ہیں، یعنی دنیا سے بے خبر ہیں۔“

تو دنیا سے بے خبری کو ایک حسن کی صفت کے طور پر قرآنِ کریم نے بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ عورت اگر دنیا کے کاموں سے بے خبر ہو اور اپنے فرائض کی حد تک واقف ہو اور دنیا کے معاملات اتنے نہ جانتی ہو تو وہ عورت کے حق میں عیب نہیں بلکہ وہ صفتِ حسن ہے۔ جس کو قرآنِ کریم نے صفتِ حسن کے طور پر ذکر فرمایا۔

زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو

لٰہذا جو چیز مرد کے حق میں عیب تھی وہ عورت کے حق میں عیب نہیں اور جو چیز مرد کے حق میں عیب نہیں تھی بعض اوقات وہ عورت کے حق میں عیب ہوتی ہے۔ اس لیے اگر تمہیں ان کے اندر کوئی ایسی چیز نظر آئے جو تمہارے لیے تو عیب ہے، لیکن عورت کے لیے عیب نہیں تو اس کی وجہ سے عورت کے ساتھ برتاؤ میں خرابی نہ کرو، اس لیے کہ پسلی ہونے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے تمہاری طبیعت سے مختلف ہو تو اب اس کو زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو۔

---

(۱) سورۃ النور آیت (۲۳)۔

سارے جھگڑوں کی جڑ

یہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے اور آپ ﷺ سے زیادہ مرد وعورت کی نفسیات سے کون واقف ہوسکتا ہے اس لیے حضورِ اقدس ﷺ نے سارے جھگڑوں کی جڑ پکڑ لی کہ سارے جھگڑے صرف اس بناء پر ہوتے ہیں کہ مرد یہ چاہتا ہے کہ جیسا میں خود ہوں، یہ بھی ویسی بن جائے، تو بھائی! یہ تو ویسے بننے سے رہی اگر ویسی بنانا چاہوگے تو ٹوٹ جائے گی، اس لیے اس فکر کو تو چھوڑ دو، ہاں! جو چیزیں اس کے حق میں اس کے حالات کے لحاظ سے اس کی فطرت اور سرشت کے لحاظ سے اس کے لیے عیب ہیں ان کی اصلاح کی فکر کرو، اور ان کی اصلاح کی فکر بھی مرد کی ذمہ داری ہے، لیکن اگر تم یہ چاہو کہ وہ تمہارے مزاج اور طبیعت کے موافق ہوجائے یہ نہیں ہوسکتا۔

اس کی کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی

اس باب کی دوسری حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُول اللّٰه ﷺ:
«لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنها خُلقًا رَضِيَ مِنْها آخَرَ»(۱)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک عجیب وغریب اُصول بیان فرمایا کہ کوئی مؤمن مرد کسی مؤمن عورت سے بالکلیہ بغض نہ رکھے، یعنی یہ نہ کرے کہ اس کو بالکلیہ کنڈم قرار دے دے اور یہ کہے کہ اس میں تو کوئی اچھائی نہیں ہے،

---

(۱) صحیح مسلم ۱۰۹۱/۲ (۱۴۶۹) و ریاض الصالحین ص ۱۲۰ (۲۷۵)۔

اگر اس کی کوئی بات ناپسند ہے تو اس کی دوسری کوئی بات پسند بھی ہوگی۔

پہلا اُصول حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ جب دو انسان ایک ساتھ رہتے ہیں تو کوئی بات دوسرے کی اچھی لگتی ہے اور کوئی بُری لگتی ہے۔ اگر کوئی بات بُری لگ رہی ہے تو اس کی وجہ سے اس کو علی الاطلاق بُرا نہ سمجھو۔ بلکہ اس وقت اس کے اچھے اوصاف کا استحضار کرو۔ اس کے اندر آخر کوئی اچھائی بھی تو ہوگی۔ بس اس اچھائی کا استحضار کرکے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یہ اچھائی تو اس کے اندر ہے۔ اگر یہ عمل کرو گے تو ہوسکتا ہے کہ اس کے اندر جو برائیاں ہیں۔ تمہارے دل کے اندر اس کی اتنی زیادہ اہمیت باقی نہ رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی ناشکرا ہے۔ اگر دو تین باتیں ناپسند ہوئیں اور بُری لگیں۔ بس! انہیں کو لے کر بیٹھ گیا کہ اس میں تو یہ خرابی ہے۔ اس میں تو یہ خرابی ہے۔ اب اچھائی کی طرف دھیان نہیں۔ اس لیے ہر وقت روتا رہتا ہے اور ہر وقت اس کی برائیاں کرتا رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے۔

ہر چیز خیر و شر سے مخلوط ہے

دنیا کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کے اندر برائی نہ ہو اور اس میں کوئی نہ کوئی اچھائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا یہ بنائی ہے کہ اس میں ہر چیز کے اندر خیر اور شر مخلوط ہے۔ کوئی چیز اس کائنات میں خیر مطلق نہیں اور کوئی شر مطلق نہیں۔ اس میں خیر و شر ملے جلے ہوتے ہیں۔ کوئی کافر ہے یا مشرک ہے یا کوئی بُرا انسان ہے۔ اگر اس کے اندر بھی اچھائی تلاش کرو گے تو کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور مل جائے گی۔

انگریزی کی ایک کہاوت

انگریزی کی ایک کہاوت ہے اور ہمارے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ متاع ہے جہاں وہ اس کو پائے اسے لے لے۔"(۱)

لہٰذا انگریزی کی کہاوت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضرور غلط ہی ہو۔ بات بڑی حکیمانہ ہے، کسی نے کہا کہ "وہ گھنٹہ یا گھڑی جو بند ہوگئی ہو۔ وہ بھی دن میں دو بار سچ بولتی ہے۔" مثلاً فرض کرو کہ بارہ بج کر پانچ منٹ پر گھڑی بند ہوگئی اب ظاہر ہے کہ ہر وقت تو وہ صحیح ٹائم نہیں بتائے گی۔ بلکہ غلط بتائے گی، لیکن دن میں دو مرتبہ ضرور صحیح ٹائم بتائے گی۔ ایک دن میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر اور ایک رات میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر تو دو مرتبہ ضرور سچ بولے گی۔

اچھائی تلاش کروگے تو مل جائے گی

کہاوت کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ چاہے کتنی بھی بے کار اور بُری چیز ہو، لیکن اگر اس میں اچھائی تلاش کروگے تو مل ہی جائے گی۔ اسی طرح دنیا کے اندر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے اندر کوئی نہ کوئی اچھائی نہ ہو۔

---

(۱) سنن ابن ماجه ٥٩٣/٥ (٤١٦٩) وسنن الترمذي ٤١٧/٤ (٢٦٨٧) وقال: هذا حديث غريب، لا نعرفه إلا من هذا الوجه، وإبراهيم بن الفضل المخزومي يُضَعَّف في الحديث من قبل حفظه۔ وقال المناوی فی "التیسیر" ٢٢٧/٣ (ت هـ عن أبي هريرة وابن عساكر عن علي) بإسناد حسن۔

کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ، علامہ اقبال مرحوم کا ایک شعر بہت پڑھا کرتے تھے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، اپنی حکمت اور مشیت سے پیدا فرمائی ہے۔ اگر غور کرو گے تو ہر ایک کے اندر حکمت اور مصلحت نظر آئے گی، لیکن ہوتا یہ ہے کہ آدمی صرف برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں کرتا۔ اس وجہ سے وہ بددل ہوکر ظلم اور ناانصافی کا ارتکاب کرتا ہے۔

عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (۱)

کہ اگر تمہیں وہ عورتیں پسند نہیں ہیں جو تمہارے نکاح میں آگئیں، تو اگرچہ وہ تمہیں ناپسند ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں بہت خیر رکھی ہو۔

اس لیے حکم یہ ہے کہ عورت کے اچھے وصف کی طرف نگاہ کرو اس سے تمہارے دل کو تسلی بھی ہوگی اور بدسلوکی کے راستے بھی بند ہوں گے۔

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۱۹)۔

ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی لڑنے جھگڑنے والی تھی۔ ہر وقت لڑتی رہتی تھی۔ جب گھر میں داخل ہوتے بس لعنت ملامت لڑائی جھگڑا شروع ہوجاتا۔ کسی صاحب نے ان بزرگ سے کہا کہ دن رات کی جھک جھک اور لڑائی آپ نے کیوں پالی ہوئی ہے۔ یہ قصہ ختم کردیجیے اور طلاق دے دیجیے۔ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ بھائی! طلاق دینا تو آسان ہے جب چاہوں گا دے دوں گا، بات دراصل یہ ہے کہ اس عورت میں اور تو بہت سی خرابیاں نظر آتی ہیں، لیکن اس کے اندر ایک وصف ایسا ہے جس کی وجہ سے میں ان کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور کبھی طلاق نہیں دوں گا اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ اگر بالفرض میں گرفتار ہوجاؤں اور پچاس سال تک جیل میں بند رہوں تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کو جس کونے میں بٹھا کر جاؤں گا اسی کونے میں بیٹھی رہے گی اور کسی اور کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھے گی اور یہ وفاداری ایسا وصف ہے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ اور نازک مزاجی

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہوگا۔ بڑے ولی اللہ گزرے ہیں اور ایسے نفیس مزاج اور نازک مزاج بزرگ تھے کہ اگر کسی نے صراحی کے اوپر گلاس ٹیڑھا رکھ دیا تو اس کو ٹیڑھا دیکھ کر سر میں درد ہوجاتا تھا۔ ایسے نازک مزاج آدمی تھے ذرا بستر پر شکنیں آجائیں تو سر میں درد ہوجاتا تھا، لیکن ان کو

بیوی جو ملی وہ بڑی بدسلیقہ، بدمزاج، زبان کی پھوہڑ، ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو عجیب عجیب طریقے سے آزماتے ہیں اور ان کے درجات بلند فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی لیکن انہوں نے ساری عمر اِن کا ساتھ نبھایا اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو شاید اسی طرح معاف فرمادیں۔

ہمارے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ہندوستان پاکستان کے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ ان کے اندر وفاداری کا وصف ہے جب سے مغربی تہذیب وتمدن کا وبال آیا ہے اس وقت سے رفتہ رفتہ یہ وصف بھی ختم ہوتا جارہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ چاہے کچھ ہوجائے لیکن یہ اپنے شوہر پر جان نثار کرنے کے لیے تیار ہے اور اس کی نگاہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑتی۔

بہرحال! ان بزرگ نے حقیقت میں اسی حدیث پر عمل کرکے دکھلایا کہ

إِنْ كَرِهَ مِنها خُلقًا رَضِيَ مِنها آخَرَ

اگر ایک بات ناپسند ہے اس عورت کی، تو دوسری بات پسند بھی ہوگی۔

اس کی طرف دھیان اور خیال کرو اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، ساری خرابی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ برائیوں کی طرف نگاہ ہوتی ہے، اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں ہوتی۔

بیوی کو مارنا بداخلاقی ہے

اس باب کی تیسری حدیث ہے

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَمْعَةَ رضی اللہ عنہ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ .... ثُمَّ ذَكَرَ النِّسَاءَ، فَوَعَظَ فِيهِنَّ، فَقَالَ: «يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ، فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ»(۱)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبے میں بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں لیکن اس خطبے میں اس باب سے متعلق جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ بُری بات ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو اس طرح مارتا ہے جیسے آقا اپنے غلام کو مارتا ہے اور دوسری طرف اسی سے اپنی جنسی خواہش بھی پوری کرتا ہے، یہ کتنی بداخلاقی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس طرح مارے جس طرح غلام کو مارا جاتا ہے۔"

بیوی کی اصلاح کے تین درجات

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ قرآنِ کریم نے میاں بیوی کے تعلقات کی

---

(۱) صحیح البخاری ۱۶۹/۶ (۴۹۴۲) وصحیح مسلم ۲۱۹۱/۴ (۲۸۵۵) ورياض الصالحين ص۱۱۹ (۲۷۴)۔

چھوٹی چھوٹی جزئیات اور مسائل کا حکم بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے، میاں بیوی کے درمیان چپقلش کا پہلا درجہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ شوہر کو بیوی کی کوئی بات ناپسند ہوگئی اس کا حل قرآنِ کریم نے یہ بتادیا کہ جب ایک بات تمہیں ناپسند ہوگئی تو تم یہ دیکھو کہ دوسری بات اس کے اندر پسندیدہ ہوگی اور پھر بھی اگر شوہر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر بعض باتیں ایسی ہیں جو قابلِ برداشت نہیں ہیں، بلکہ اصلاح کے لائق ہیں اور ظاہر ہے کہ مرد کو اس بات کا بھی مکلف بنایا گیا ہے کہ اگر وہ بیوی میں کوئی بات قابلِ اصلاح اور بُری دیکھے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے، لیکن اس کی اصلاح کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ وہ طریقہ قرآنِ کریم نے یہ بتادیا کہ

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُن (۱)

سب سے پہلے تو ان کو نرمی خوش اخلاقی اور محبت سے نصیحت کرو، یہ اصلاح کا پہلا درجہ ہے، اگر نصیحت کے ذریعے وہ باز آجائیں تو بس، اب آگے قدم نہ بڑھاؤ اور اگر وعظ و نصیحت کا اثر نہ ہو تو پھر اصلاح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ سونا چھوڑ دو، اپنا بستر الگ کردو، اگر ذرا بھی سمجھ ہوگی، فہم میں درستگی ہوگی تو اب باز آجائیں گی (بستر الگ کرنے کی تفصیل آگے مستقل حدیث کے تحت آرہی ہے)۔

بیوی کو مارنے کی حد

اور اگر اصلاح کا دوسرا درجہ بھی کارگر ثابت نہ ہو تو پھر تیسرا درجہ اختیار کرو،

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۳۴)۔

وہ ہے مارنا، لیکن مار کیسی ہونی چاہیے؟ اور کس قدر ہونی چاہیے؟ اس کے بارے میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جو آخری نصیحت فرمائی ان میں یہ نصیحت بھی فرمائی کہ

"وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ"(۱)

یعنی اوّل تو مار کا مرحلہ آنا بھی نہیں چاہیے اور اگر آئے بھی تو اس صورت کو صرف اس وقت استعمال کیا جائے جب اس کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے اس لیے کہ مار بالکل آخری چارہ کار ہے اور اس میں یہ قید لگادی کہ وہ مار تکلیف دینے والی نہ ہو۔ یعنی اس مار سے تکلیف دینا مقصود نہ ہو بلکہ تادیب مقصود ہو اور اصلاح مقصود ہو اس لیے تکلیف دینے والی ایسی مار جائز نہیں جس سے نشان پڑ جائے۔ (مارنے کے بارے میں مزید تفصیل ان شاء اللہ آگے مستقل حدیث کے تحت آرہی ہے)۔

بیویوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک

اور جب نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت نو ازواجِ مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور وہ ازواجِ مطہرات آسمان سے نازل کیے ہوئے فرشتے نہیں تھیں وہ اسی معاشرے کے افراد تھیں اور ان کے درمیان وہ باتیں بھی ہوا کرتی تھی جو ''سوکنوں'' کے درمیان آپس میں ہوا کرتی ہیں اور وہ مسائل بھی کھڑے ہوتے تھے جو بعض اوقات شوہر اور بیوی میں کھڑے ہوجاتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ساری عمر

(۱) صحیح مسلم ۲/۸۸۶ (۱۲۱۸)۔

نہ صرف یہ کہ کسی خاتون پر ہاتھ نہیں اُٹھایا بلکہ جب کبھی گھر کے اندر داخل ہوتے تو چہرۂ مبارک پر تبسم ہوتا تھا(۱)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت

تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ ان پر ہاتھ نہ اُٹھایا جائے اور مارنے کی جو اجازت ہے وہ ناگزیر حالات کے اندر ہے ورنہ عام حالات میں تو مارنے کی اجازت بھی نہیں اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی نہیں ہے۔ سنت وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ہمیں کبھی کبھی تعلیم کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ

"آج میرے نکاح کو پچپن ۵۵ سال ہوگئے ہیں لیکن الحمدللہ کبھی اس پچپن سال کے عرصہ میں لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔"

میں کہا کرتا ہوں کہ لوگ پانی پر تیرنے اور ہوا میں اُڑنے کو کرامت سمجھتے

---

(۱) وفی سنن اسحاق بن راہویہ ۴۳٤/۲ (۱۰۰۱) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا سُئِلَتْ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَلَا فِي بَيْتِهِ، فَقَالَتْ: "كَانَ أَلْيَنَ النَّاسِ، وَأَكْرَمَ النَّاسِ، كَانَ رَجُلًا مِنْ رِجَالِكُمْ، إِلَّا أَنَّهُ كَانَ ضَحَّاكًا بَسَّامًا". و۱۰۰۸/۳ (۱۷۵۰) طبع مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورۃ۔ ومداراۃ الناس لابن ابی الدنیا ص۱۲۱ (۱۵۲) طبع دار ابن حزم۔

ہیں اصل کرامت تو یہ ہے کہ پچپن سال بیوی کے ساتھ زندگی گزاری اور یہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس میں یقینا ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں، یہ بات ممکن نہیں کہ ناگواری نہ ہوتی ہو، لیکن فرماتے ہیں کہ ''میں نے لہجہ بدل کر بات نہیں کی'' اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی اہلیہ اور ہماری پیرانی صاحبہ فرماتی ہیں کہ ساری عمر مجھ سے یہ نہیں کہا کہ ''مجھے پانی پلادو'' یعنی اپنی طرف سے کسی کام کا حکم نہیں دیا کہ یہ کام کردو، میں خود اپنے شوق اور جذبے سے سعادت سمجھ کر ان کا خیال رکھتی اور ان کا کام کرتی تھی، لیکن ساری عمر زبان سے انہوں نے مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیا۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے تھے کہ

> ''میں نے تو اپنے آپ کو یہ سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتقاد رکھتا ہوں اور اسی پر خاتمہ چاہتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خدمت کے لیے دنیا میں بھیجا ہے، جتنے میرے اہل تعلقات ہیں، ان کی خدمت میرے ذمے ہے میں مخدوم بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ دوسرے لوگ میری خدمت کریں، بلکہ میں خادم ہوں، اپنی بیوی کا بھی خادم، اپنے بچوں کا بھی خادم، اپنے مریدین کا بھی خادم اور اپنے متعلقین کا بھی خادم ہوں۔ اس لیے کہ بندے کے لیے خادمیت کا مقام اچھا ہے اس لیے میں خادم ہوں۔'' فرمایا کہ۔

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

طریقت درحقیقت خدمت خلق ہی کا نام ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے یہ سمجھ لیا کہ میں خادم ہوں، مخدوم نہیں ہوں تو خادم دوسروں پر کیسے حکم چلائے کہ یہ کام کردو۔ ساری عمر اسی طرح گزاری کہ جب ضرورت پیش آتی، خود کام کرتے، کسی سے نہیں کہتے۔ یہ ہے نبی کریم ﷺ کی سنت کا اتباع۔ ظاہری چیزوں میں تو ہم لوگ سنت کا اتباع کر لیتے ہیں، لیکن اخلاق میں معاملات میں معاشرت میں اور زندگی گزارنے کے طریقوں میں بھی سنت کی اتباع کرنی چاہیے۔

صرف دعویٰ کافی نہیں

اتباعِ سنت بڑی عجیب وغریب چیز ہے۔ یہ انسان کی دنیا بھی بناتی ہے اور آخرت بھی بناتی ہے اور زندگی کو استوار کرتی ہے اور یہ صرف دعویٰ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

وَكُلٌّ يَدَّعِيْ وَصْلاً لِلَيْلٰى
وَلَيْلٰى لَاتُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَ(۱)

ترجمہ: لیلیٰ سے وصل یعنی محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کر رہا ہے
لیکن خود لیلیٰ ان کے اس دعوے کا اقرار نہیں کرتی ہے

یہ صرف عمل سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی اپنے اخلاق میں اپنے کردار میں

(۱) ملاحظہ ہو مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیة ۷۱/٤ طبع مجمع الملك فهد.

اور اپنے عمل سے اس چیز کو اپنائے کہ جس کے ساتھ ادنیٰ تعلق بھی ہوگیا، اس کو اپنی ذات سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بیوی کی اصلاح کا تیسرا درجہ جو بتایا ہے، اس کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی ہے کہ ساری عمر کبھی بیوی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، چاہے کتنی ناگواری کیوں نہ ہوگئی اور ان لوگوں کو جو اپنی بیویوں پر ہاتھ اُٹھاتے ہیں، بُرے لوگ اور بدترین لوگ قرار دیا۔

خطبہ حجۃ الوداع

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الأَحْوَصِ الجشَمِيِّ رضي الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ يقُولُ بَعْدَ أَنْ حمدَ اللّٰهَ تَعَالَى، وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ، ثُمَّ قَالَ: «أَلا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ...الخ»(۱)

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبہ کا ایک اقتباس بیان کیا گیا ہے یہ خطبہ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا اس خطبہ میں صراحتاً آپ نے یہ فرمادیا کہ شاید اس سال کے بعد میں تم کو یہاں نہ دیکھ سکوں، لہٰذا اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باتیں چن

---

(۱) سنن الترمذی ۴۵۵/۲ (۱۱۶۳) وقال هذا حديث حسن صحيح-ورياض الصالحين ص۱۲۰ (۲۷۶)۔

چن کر ارشاد فرمائیں جن کے اندر اُمت کے پھسل جانے اور گمراہ ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ تاکہ قیامت تک اُمت کے لیے ایک دستور العمل اور ایک لائحہ عمل سامنے آجائے اور اُمت کی گمراہی کے جتنے راستے ہیں اس خطبہ میں ان راستوں کو بند کرنے کی کوشش فرمائی۔

خطبہ تو بہت طویل ہے، لیکن اس خطبہ کے مختلف حصے مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں اور یہ بھی اسی خطبہ کا حصہ ہے، جس میں مرد وعورت کے باہمی حقوق کو بیان فرمایا گیا ہے، پھر خاص کر مردوں کو عورتوں کے حقوق پہچاننے اور ان کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب آپ ان حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگاسکتے ہیں یہ حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع میں ایسے موقع پر ارشاد فرمارہے ہیں جبکہ یہ خیال بھی ہے کہ آئندہ اس طرح سب لوگوں کے سامنے بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے جن چیزوں کو بیان کرنے کے لیے منتخب فرمایا اور جن باتوں کی اہمیت آپ نے محسوس فرمائی کہ اُمت کو ہر حال میں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے، ان میں مرد وعورت کے باہمی حقوق بھی داخل ہیں۔

میاں بیوی کے تعلقات کی اہمیت

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی میں شوہر اور بیوی کے تعلقات کو کتنی اہمیت حاصل ہے اور خود صاحبِ شریعت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کتنی اہمیت محسوس فرمائی ہے۔ کیونکہ اگر میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کے حقوق صحیح طور پر ادا نہ کریں اور باہم تلخیوں پر کمر باندھ لیں تو اس کے ذریعے صرف

ایک دوسرے کے حقوق ضائع نہیں ہوتے، بلکہ بالآخر اس کا اثر دونوں خاندانوں پر پڑتا ہے اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اولاد خراب ہوتی ہے اور چونکہ سارے تمدن کی بنیاد خاندان اور گھر پر ہے اس لیے اس کے نتیجے میں پورا تمدن بگڑ جاتا ہے، اس واسطے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہمیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی۔

عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں

چنانچہ حضرت عمرو بن الاحواص جشمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان فرمائی اور وعظ ونصیحت فرمائی اور پھر فرمایا کہ خوب سن لو، میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں تم اس نصیحت کو قبول کرلو، یہ وہی جملہ ہے جو پچھلی حدیث میں آیا تھا اور اگلہ جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ

"فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ"

اس لیے کہ وہ خواتین تمہارے پاس تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کا یہ ایک ایسا وصف بیان فرمایا کہ اگر مرد صرف اس وصف پر غور کرے تو اس کو کبھی ان کے ساتھ بدسلوکی کا خیال بھی نہ آئے۔

ایک نادان لڑکی سے سبق لو

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک نادان اور غیر تعلیم یافتہ لڑکی سے سبق لو کہ صرف دو بول پڑھ

کر جب ایک شوہر سے تعلق قائم ہوگیا ایک نے کہا کہ میں نے نکاح کیا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کرلیا۔ اس لڑکی نے اس دو بول کی ایسی لاج رکھی کہ ماں کو اس نے چھوڑا، باپ کو اس نے چھوڑا، بہن بھائیوں کو اس نے چھوڑا، اپنے خاندان کو چھوڑا، اور پورے کنبے کو چھوڑا اور شوہر کی ہوگئی اور اس کے پاس آ کر مقید ہوگئی تو اس دو بول کی اس نادان لڑکی نے اتنی لاج رکھی اور اتنی وفاداری کی تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک نادان لڑکی تو اس دو بول کا اتنا بھرم رکھتی ہے کہ سب کو چھوڑ کر ایک کی ہوگئی، لیکن تم سے یہ نہیں ہوسکا کہ تم یہ دو بول

لا اِلٰہ الّا اللّٰہ محمدٌ رَّسول اللہ

پڑھ کر اللہ کے ہوجاؤ جس کے لیے یہ دو بول پڑھے تھے۔ تم سے تو وہ نادان لڑکی اچھی کہ یہ دو بول پڑھ کر اس کا اتنی لاج رکھتی ہے، تم سے اتنی لاج بھی نہیں رکھی جاسکتی کہ اس اللہ کے ہوجاؤ۔

عورت نے تمہارے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں

تو اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یہ دیکھو کہ اس نے تمہاری خاطر کتنی بڑی قربانی دی۔ اگر بالفرض معاملہ برعکس ہوتا اور تم سے یہ کہا جاتا کہ تمہاری شادی ہوگی، لیکن تمہیں اپنا خاندان چھوڑنا ہوگا، اپنے ماں باپ چھوڑنے ہوں گے، تو یہ تمہارے لیے کتنا مشکل کام ہوتا، ایک اجنبی ماحول، اجنبی گھر، اجنبی آدمی کے ساتھ زندگی بھر نباہ کے لیے وہ عورت مقید ہوگئی۔ اس لیے نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کیا تم اس قربانی کا لحاظ نہیں کروگے؟ اس قربانی کا لحاظ کرو اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

اس کے علاوہ تمہارا ان پر کوئی مطالبہ نہیں

اس کے بعد بڑا سنگین جملہ ارشاد فرمایا، جب کبھی اس جملے کی تشریح کی نوبت آتی ہے تو مرد لوگ ناراض ہوجاتے ہیں وہ جملہ یہ ہے کہ

لَيۡسَ تَمۡلِكُونَ مِنۡهُنَّ شَيۡئاً غَيۡرَ ذٰلِكَ

یعنی تمہیں ان پر صرف اتنا حق حاصل ہے کہ وہ تمہارے گھر میں رہیں، اس کے علاوہ شرعاً ان پر تمہارا کوئی مطالبہ نہیں۔

کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمے داری نہیں

اسی بنیاد پر فقہاءِ کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا جو بڑا نازک مسئلہ ہے۔ جس کے بیان کرنے سے بہت سے لوگ ناراض ہوجاتے ہیں، وہ مسئلہ یہ ہے کہ گھر کا کھانا پکانا عورت کی شرعی ذمے داری نہیں ہے، یعنی شرعاً یہ فریضہ ان پر عائد نہیں ہوتا کہ وہ ضرور کھانا پکائیں، بلکہ فقہاءِ کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ عورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان عورتوں کی ہے جو اپنے گھر میں اپنے میکے میں بھی گھر کا کام کیا کرتی تھیں اور دوسری قسم کی عورتیں وہ ہیں جو اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتی تھیں، بلکہ نوکر چاکر تھے، وہ کھانا پکاتے تھے اگر دوسری قسم کی عورت شادی کے بعد شوہر کے گھر آجائے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا کسی طرح بھی واجب نہیں نہ دیانۃً، نہ قضاءً نہ اخلاقاً، نہ شرعاً، بلکہ وہ عورت شوہر سے کہہ سکتی ہے کہ میرا نفقہ تو تمہارے ذمے واجب ہے بجائے اس کے کہ میں کھانا پکاؤں تم میرے لیے پکا پکایا کھانا لا کر دو۔ چنانچہ فقہا کرام لکھتے ہیں کہ

"یَأْتِیْهَا بِطَعَامٍ مُهَیِّئًا"(۱)

اس صورت میں پکا پکایا کھانا لاکر عورت کو دینا یہ شوہر کی ذمہ داری ہے اور اس عورت سے نہ قضاءً کھانا پکانے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ دیانتاً، اس لیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور واضح الفاظ میں یہ فرمایا:

"لَیْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَیْئًا غَیْرَ ذٰلِكَ"

یعنی تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ ان کو اپنے گھر پر رکھو اور تمہاری اجازت کے بغیر ان کو گھر سے باہر جانا جائز نہیں، لیکن اس کے علاوہ ان پر کوئی ذمہ داری شرعاً نہیں ہے اور اگر وہ پہلی قسم کی عورت ہے یعنی جو اپنے گھر میں کھانا پکاتی تھی اور کھانا پکاتی ہوئی شوہر کے گھر آئی ہے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا قضاءً واجب نہیں ہے، لیکن دیانتاً واجب ہے۔ یعنی بزورِ عدالت تو اس سے کھانا پکانے کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں! البتہ اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا کھانا خود پکائے۔ اس صورت میں شوہر کے ذمہ یہ ہے کہ وہ کھانا پکانے کا سامان لاکر دے دے۔ باقی شوہر یا بچوں کے لیے کھانا پکانا۔ یہ اس کی ذمہ داری بھی نہیں ہے اور یہ عورت شوہر سے یہ مطالبہ نہیں کرسکتی کہ تم میرے لیے پکا پکایا کھانا لاکر دو، لیکن اگر وہ شوہر اور بچوں کے لیے کھانا پکانے سے انکار کردے تو اب اس سے عدالت کے زور پر کھانا پکانے کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، فقہاءِ کرام نے اتنی تفصیل کے ساتھ یہ مسائل بیان فرمائے ہیں۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۳/۵۷۹۔

ساس، سسر کی خدمت واجب نہیں

ایک بات اور سمجھ لیجیے! جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جب عورت کے ذمہ شوہر کا اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں تو شوہر کے جو ماں باپ اور بہن بھائی ہیں ان کے لیے کھانا پکانا اور ان کی خدمت کرنا بطریق اولیٰ واجب نہیں۔ ہمارے یہاں یہ دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے، لہٰذا یہ بہو ہماری خدمت ضرور کرے۔ چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے اور پھر اس کے نتیجے میں ساس بہو، بھاوج اور نندوں کے جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

ساس سسر کی خدمت اس کی سعادت مندی ہے

خوب سمجھ لیجیے! اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمہ واجب ہے کہ وہ خود ان کی خدمت کرے، البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعث اجر سمجھ کر انجام دے، لیکن لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے، جبکہ وہ خوش دلی سے ان کی خدمت پر راضی نہ ہو اور نہ والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے، لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادت مندی سمجھ کر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی ان شاء اللہ اس کے اجر میں بہت اضافہ ہوگا۔ اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہیے تا کہ گھر کی فضا خوشگوار رہے۔

بہو کی خدمت کی قدر کریں

لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس، سسر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر یہ خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اس کا حسنِ سلوک ہے اس کا حسن اخلاق ہے، اس کے ذمہ یہ خدمت فرض و واجب نہیں ہے، لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ بہو کی اس خدمت کی قدر کریں اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں۔ ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں۔ ساس، بہو کی اور بھاوج اور نندوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اُجاڑ دیے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔

ایک عجیب واقعہ

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ میرے متعلقین میں ایک صاحب تھے۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں میری مجلس میں آیا کرتے تھے اور کچھ اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک مرتبہ اپنے گھر میری دعوت کی۔ چنانچہ میں ان کے گھر گیا اور جا کر کھانا کھایا اور کھانا بڑا اچھا بنا ہوا تھا۔ ہمارے حضرتِ والا قدس اللہ سرہٗ کی ہمیشہ ہی عادت تھی کہ جب کھانا کھاتے تو کھانے کے بعد کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف کرتے کہ تم نے بہت اچھا کھانا پکایا، تا کہ اس کی حوصلہ افزائی ہو، اس کا دل بڑھے، چنانچہ جب حضرتِ والا کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں اور آ کر حضرتِ والا کو سلام کیا تو حضرتِ والا نے فرمایا تم نے بڑا لذیذ

کھانا اور اچھا کھانا بنایا۔ کھانا کھانے میں بڑا مزہ آیا۔ حضرتِ والا فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ جملہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کی سسکیاں لینے اور رونے کی آواز آئی۔ میں حیران ہوگیا کہ معلوم نہیں کہ میری کس بات سے ان کو تکلیف پہنچی اور ان کا دل ٹوٹا، میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے اپنے رونے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت! آج مجھے ان شوہر کے رہتے ہوئے چالیس سال ہوگئے ہیں لیکن اس پورے عرصے میں کبھی میں نے ان کی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا کہ ''آج کھانا اچھا بنا ہے'' آج جب آپ کے منہ سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آ گیا۔

ایسا شخص کھانے کی تعریف نہیں کرے گا

حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ بکثرت یہ واقعہ سنا کر فرماتے تھے کہ وہ شخص یہ کام ہرگز نہیں کرسکتا جس کے دل میں یہ احساس ہو کہ یہ بیوی کھانے پکانے کی جو خدمت انجام دے رہی ہے یہ اس کا حسن سلوک اور حسن معاملہ ہے جو وہ میرے ساتھ کر رہی ہے، لیکن جو شخص اپنی بیوی کو نوکر اور خادم سمجھتا ہو کہ یہ میری خادمہ ہے، اس کو تو یہ کام ضرور انجام دینا ہے۔ کھانا پکانا اس کا فرض ہے۔ اگر کھانا اچھا پکا رہی ہے تو اس پر اس کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسا شخص کبھی اپنی بیوی کی تعریف نہیں کرے گا۔

شوہر اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے

ایک مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ والدین ضعیف ہیں یا بیمار ہیں اور ان کو خدمت کی ضرورت ہے، گھر میں صرف بیٹا اور بہو ہے، اب کیا کیا جائے؟ اس

صورت میں بھی شرعی مسئلہ یہ ہے کہ بہو کے ذمے واجب نہیں کہ وہ شوہر کے والدین کی خدمت کرے، البتہ اس کی سعادت اور خوش نصیبی ہے اور اجر وثواب کا موجب ہے۔ اگر خدمت کرے گی تو ان شاء اللہ بڑا ثواب حاصل ہوگا، لیکن بیٹے کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ کام میرا ہے۔ مجھے چاہیے کہ اپنے والدین کی خدمت کروں، اب چاہے وہ خدمت خود کرے یا کوئی نوکر اور خادمہ رکھے، لیکن اگر بیوی خدمت کررہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک اور احسان سمجھنا چاہیے۔

عورت کو اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں

لیکن ایک قانون اس کے ساتھ اور بھی سن لیں ورنہ معاملہ اُلٹا ہوجائے گا۔ اس لیے کہ لوگ جب یکطرفہ بات سن لیتے ہیں تو اس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ عرض کیا کہ کھانا پکانا عورت کے ذمہ شرعاً واجب نہیں، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ یہ تمہارے گھروں میں مقید رہتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اجازت کے بغیر ان کے لیے کہیں جانا جائز نہیں۔ لہٰذا جس طرح فقہاءِ کرام نے کھانا پکانے کا مسئلہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس طرح فقہاء نے یہ قانون بھی لکھا ہے کہ اگر شوہر عورت سے یہ کہہ دے کہ تم گھر سے باہر نہیں جاسکتیں اور اپنے عزیز واقارب سے ملنے نہیں جاسکتیں۔ حتیٰ کہ اس کے والدین سے بھی ملنے کے لیے جانے سے منع کردے تو عورت کے لیے ان سے ملاقات کے لیے گھر سے باہر جانا جائز نہیں۔ البتہ اگر والدین اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے اس کے گھر آجائیں تو اب شوہر ان والدین کو ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا، لیکن فقہاء نے اس کی حد مقرر کردی ہے کہ اس کے والدین ہفتے میں ایک مرتبہ آئیں اور ملاقات کرکے چلے جائیں۔ یہ

اس عورت کا حق ہے۔ شوہر اس سے نہیں روک سکتا لیکن اجازت کے بغیر اس کے لیے جانا جائز نہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح توازن برابر کیا ہے کہ عورت کے ذمے قانونی اعتبار سے کھانا پکانا واجب نہیں تو دوسری طرف قانونی اعتبار سے اس کا گھر سے باہر نکلنا شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں

یہ قانون کی بات تھی، لیکن حسن سلوک کی بات یہ ہے کہ وہ اس کی خوشی کا خیال رکھے اور یہ اس کی خوشی کا خیال رکھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے درمیان یہ تقسیم کار فرما رکھی تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ گھر کے باہر کے تمام کام انجام دیتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کے تمام کام انجام دیتی تھیں۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیے۔ دونوں میاں بیوی قانون کی باریکیوں میں ہر وقت نہ پڑے رہیں، بلکہ شوہر بیوی کے ساتھ اور بیوی شوہر کے ساتھ خوش اسلوبی کا معاملہ کرے اور یہ فطری تقسیم بھی ہے کہ گھر کے کام بیوی کے ذمے اور باہر کے کام شوہر کے ذمے ہوں۔ اس طرح دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔

اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو

«إِلَّا أَنْ يأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً»

ہاں! اگر وہ عورتیں گھر میں کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو وہ بے حیائی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں، اس صورت میں قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے نسخے کے مطابق پہلے ان کو نصیحت کرو اور اس کے بعد اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کا بستر الگ کردو اور پھر بھی اگر باز نہ آئیں تو بدرجہ مجبوری اس بے حیائی پر مارنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ وہ مار تکلیف دینے والی نہ ہو اور اس کے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں اور باز آجائیں تو اب اس کے بعد کوئی راستہ ان کے خلاف تلاش نہ کرو، یعنی ان کو مزید تکلیف پہنچانے کی گنجائش نہیں۔

«أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ»

خبردار! ان عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، ان کے لباس میں اور ان کے کھانے میں اور ان کی دوسری ضروریات جو تمہارے ذمہ واجب ہیں تم ان میں احسان سے کام لو۔

صرف یہ نہیں کہ انتہائی ناگزیر ضرورت پوری کردی، بلکہ احسان، فراخ دلی اور کشادگی سے کام لو، اور ان کے لباس اور کھانے پر خرچ کرو۔

بیوی کو جیب خرچ الگ دیا جائے

یہاں دو تین باتیں اس سلسلے میں عرض کرنی ہیں، جن پر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے مواعظ میں جابجا زور دیا ہے اور عام طور پر ان باتوں کی طرف سے غفلت پائی جاتی ہے۔ پہلی بات جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے

بیان فرمائی۔ وہ یہ کہ نفقہ صرف یہ نہیں ہے کہ بس! کھانے کا انتظام کر دیا اور کپڑے کا انتظام کر دیا، بلکہ نفقہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ کھانے اور کپڑے کے علاوہ بھی کچھ رقم بطور جیب خرچ کے بیوی کو دی جائے۔ جس کو وہ آزادی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق صرف کر سکے۔ بعض لوگ کھانے اور کپڑے کا تو انتظام کر دیتے ہیں، لیکن جیب خرچ کا اہتمام نہیں کرتے۔ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ جیب خرچ دینا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ انسان کی بہت سی ضروریات ایسی ہوتی ہیں جس کو بیان کرتے ہوئے بھی انسان شرماتا ہے یا اس کو بیان کرتے ہوئے اُلجھن محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے کچھ رقم بیوی کے پاس ایسی ضروریات کے لیے بھی ہونی چاہیے تاکہ وہ دوسرے کی محتاج نہ ہو، یہ بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے۔ حضرتِ والا نے فرمایا کہ جو لوگ یہ جیب خرچ نہیں دیتے، وہ اچھا نہیں کرتے۔

خرچہ میں فراخ دلی سے کام لینا چاہیے

دوسری بات یہ ہے کہ کھانے پینے میں اچھا سلوک کرو، یہ نہ ہو کہ صرف "قوتِ لایموت" دے دی۔ یعنی اتنا کھانا دے دیا جس سے موت نہ آئے، بلکہ احسان کرو، اور احسان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی آمدنی کے معیار کے مطابق فراخی اور کشادگی کے ساتھ گھر کا خرچہ اس کو دے۔ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خلجان رہتا ہے کہ شریعت میں ایک طرف تو فضول خرچی اور اسراف کی ممانعت آئی ہے اور دوسری طرف یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ گھر کے خرچ میں تنگی مت کرو، بلکہ کشادگی سے کام لو، اب سوال یہ ہے کہ دونوں میں حدِ فاصل کیا ہے؟ کون سا خرچ اسراف میں داخل ہے اور کون سا خرچ اسراف میں داخل نہیں؟

رہائش جائز آسائش جائز

اس خلجان کے جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گھر کے بارے میں فرمایا کہ ایک ''گھر'' وہ ہوتا ہے جو قابل رہائش ہو۔ مثلاً جھونپڑی ڈال دی یا چھپر ڈال دیا، اس میں بھی آدمی رہائش اختیار کرسکتا ہے۔ یہ تو پہلا درجہ ہے، جو بالکل جائز ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ رہائش بھی ہو اور ساتھ میں آسائش بھی ہو، مثلاً پختہ مکان ہے۔ جس میں انسان آرام کے ساتھ رہ سکتا ہے اور گھر میں آسائش کے لیے کوئی کام کیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے اور یہ بھی اسراف میں داخل نہیں۔ مثلاً ایک شخص ہے وہ جھونپڑی میں بھی زندگی بسر کرسکتا ہے اور دوسرا شخص جھونپڑی میں نہیں رہ سکتا اس کو تو رہنے کے لیے پختہ مکان چاہیے اور پھر اس مکان میں بھی اس کو پنکھا اور بجلی چاہیے۔ اب اگر وہ شخص اپنے گھر میں پنکھا اور بجلی اس لیے لگاتا ہے تاکہ اس کو آرام حاصل ہو تو یہ اسراف میں داخل نہیں۔

آرائش بھی جائز

تیسرا درجہ یہ ہے کہ مکان میں آسائش کے ساتھ آرائش بھی ہو۔ مثلاً ایک شخص کا پختہ مکان بنا ہوا ہے، پلاستر کیا ہوا ہے، بجلی بھی ہے پنکھا بھی ہے، لیکن اس مکان پر رنگ نہیں کیا ہوا ہے، اب ظاہر ہے کہ رہائش تو ایسے مکان میں بھی ہوسکتی ہے لیکن رنگ و روغن کے بغیر آرائش تو نہیں ہوسکتی، اب اگر کوئی شخص آرائش کے حصول کے لیے مکان پر رنگ و روغن کرائے تو شرعاً وہ بھی ناجائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رہائش جائز، آسائش جائز، آرائش جائز اور آرائش کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے کوئی کام کرلے تاکہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہو دیکھ کر دل خوش ہوجائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، شرعاً یہ بھی جائز ہے۔

نمائش جائز نہیں

اس کے بعد چوتھا درجہ ہے ''نمائش'' اب جو کام کررہا ہے اس سے نہ تو آرام مقصود ہے، نہ آرائش مقصود ہے، بلکہ اس کام کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ مجھے بڑا دولتمند سمجھیں اور لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے پاس بہت پیسہ ہے اور تاکہ اس کے ذریعے دوسروں پر اپنی فوقیت جتاؤں اور اپنے آپ کو بلند ظاہر کروں، یہ سب ''نمائش'' کے اندر داخل ہے اور یہ شرعاً ناجائز ہے اور اسراف میں داخل ہے۔

فضول خرچی کی حد

یہی چار درجات لباس اور کھانے میں بھی ہیں بلکہ ہر چیز میں ہیں ایک شخص اچھا اور قیمتی کپڑا اس لیے پہنتا ہے تاکہ مجھے آرام ملے اور تاکہ مجھے اچھا لگے اور میرے گھر والوں کو اچھا لگے اور میرے ملنے جلنے والے اس کو دیکھ کر خوش ہوں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس اس نیت سے پہنتا ہے تاکہ مجھے دولتمند سمجھا جائے، مجھے بہت پیسے والا سمجھا جائے اور میرا بڑا مقام سمجھا جائے تو یہ نمائش ہے اور ممنوع ہے۔ اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسراف کے بارے میں ایک واضح حد فاصل کھینچ دی کہ اگر ضرورت پوری کرنے

کے لیے خرچ کیا جارہا ہے یا آسائش کے حصول کے لیے یا اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے آرائش کی خاطر کوئی خرچہ کیا جارہا ہے وہ اسراف میں داخل نہیں۔

یہ اسراف میں داخل نہیں

میں ایک مرتبہ کسی دوسرے شہر میں تھا اور واپس کراچی آنا تھا۔ گرمی کا موسم تھا میں نے ایک صاحب سے کہا کہ ایئر کنڈیشنڈ کوچ میں میرا ٹکٹ بک کرادو اور میں نے ان کو پیسے دے دیے۔ ایک دوسرے صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فوراً کہا کہ صاحب! یہ تو آپ اسراف کر رہے ہیں، اس لیے کہ ایئر کنڈیشنڈ کوچ میں سفر کرنا تو اسراف میں داخل ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر اوپر کے درجے میں سفر کرلیا تو یہ اسراف میں داخل ہے خوب سمجھ لیجیے! اگر اوپر کے درجے میں سفر کرنے کا مقصد راحت حاصل کرنا ہے، مثلاً گرمی کا موسم ہے، گرمی برداشت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے پیسے دیے ہیں، تو پھر اس درجے میں سفر کرنا گناہ اور اسراف نہیں ہے، لیکن اگر اوپر کے درجے میں سفر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب میں ایئر کنڈیشنڈ کوچ میں سفر کروں گا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا دولتمند آدمی ہے تو پھر وہ اسراف اور ناجائز ہے اور نمائش میں داخل ہے یہی تفصیل کپڑا اور کھانے میں بھی ہے۔

ہر شخص کی کشادگی الگ الگ ہے

لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ ان درجات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیوی کے نفقہ اور لباس میں کشادگی کے ساتھ خرچ کرے۔ ہر آدمی کی کشادگی الگ الگ ہوتی ہے۔ میرے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیان فرماتے

ہوئے کہنے لگے کہ بھائی! ایک آدمی ایسا ہے جس کا نہ کوئی آگے نہ پیچھے، یعنی نہ کوئی اس کا رشتہ دار ہے، نہ کوئی عزیز واقارب ہے، اور نہ کوئی دوست ہے، اگر ایسا شخص اپنے گھر میں ایک بستر، ایک رکابی، ایک ڈونگا رکھ لے تو بس! اس کے لیے یہ برتن کافی ہیں اب اگر اور زیادہ برتن جمع کرلے گا تو اس کا مقصد سوائے نمائش کے اور کچھ نہ ہوگا اور اسراف ہوگا، لیکن ایک دوسرا آدمی جس کے مہمان آتے ہیں جس کے تعلقات وسیع ہیں، جس کے عزیز واقارب بہت زیادہ ہیں، اس کی ضرورت اور کشادگی کا معیار اور ہے۔ اب اگر ایسے شخص کے گھر میں بعض اوقات برتنوں کے سوسیٹ بھی ہوں یا سو بستر بھی ہوں تب بھی ان سے ایک برتن اور ایک بستر بھی اسراف میں داخل نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ سب اس کی ضرورت میں داخل ہیں، اس لیے فرمایا کہ ہر آدمی کا کشادگی کا معیار الگ ہوتا ہے۔

اس محل میں خدا کو تلاش کرنے والا احمق ہے

بعض اوقات لوگ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے بادشاہ تھے ان کا قصہ سن کر اسی سے استدلال کرتے ہیں جن کا قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے رات کے وقت ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ محل کی چھت پر گھوم رہا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پکڑ کر پوچھا کہ رات کے وقت یہاں محل کی چھت پر کیا کر رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا کہ اونٹ تلاش کرنے آیا ہوں، میرا اونٹ گم ہوگیا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ارے بیوقوف، کم عقل! رات کے وقت محل کی چھت پر اونٹ تلاش کررہا ہے۔ تجھے یہاں اونٹ کیسے ملے گا؟ اس آدمی نے حیرت سے پوچھا یہاں اونٹ نہیں مل سکتا؟ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں! تجھے یہاں

محل کی چھت پر اونٹ کیسے ملے گا؟ اس آدمی نے کہا کہ اگر اس محل میں اونٹ نہیں مل سکتا اور اس محل میں اونٹ تلاش کرنے والا احمق ہے۔ تو یہ بھی سمجھ لو کہ تم یہاں رہتے ہوئے خدا کو تلاش کر رہے ہو تمہیں خدا بھی نہیں مل سکتا، اگر میں احمق ہوں تو مجھ سے زیادہ تم احمق ہو۔ بس! اس وقت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ایک چوٹ لگی اور اسی وقت ساری بادشاہت چھوڑ کر جنگل کی طرف روانہ ہوگئے اور روانہ ہوتے وقت سوچا کہ اب تو اللہ کی یاد میں زندگی بسر کرنی ہے۔ اس لیے صرف ایک تکیہ اور پیالہ ساتھ لے لیا تاکہ کھانے پینے کی ضرورت پیش آئے گی تو اس پیالے میں کھا پی لیں گے اور سونے کی ضرورت پیش آئے گی تو زمین پر تکیہ رکھ کر سو جائیں گے جب کچھ آگے چلے تو دیکھا کہ ایک آدمی دریا کے کنارے بیٹھا ہے اور چلّو بنا کر پانی پی رہا ہے آپ نے سوچا کہ یہ پیالہ میں نے اپنے ساتھ فضول لے لیا یہ کام تو ہاتھوں کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے چنانچہ وہ پیالہ پھینک دیا اور آگے روانہ ہوگئے کچھ اور آگے گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی سر کے نیچے اپنے ہاتھ رکھ کر سو رہا ہے پھر سوچا یہ تکیہ بھی میں نے فضول لیا۔ تکیہ تو اللہ تعالیٰ نے خود دے رکھا ہے۔ اس سے کام چلائیں گے چنانچہ وہ تکیہ بھی پھینک دیا(۱)۔

غلبہ حال کی کیفیت قابلِ تقلید نہیں

اس قصہ کی وجہ سے بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ پیالہ رکھنا بھی اسراف ہے اور تکیہ رکھنا بھی اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء لفرید الدین العطار ص ۱۲۸ ومعارف مثنوی مولائے روم ص ۴۱ تا ص ۴۵۔

کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ وہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی نکھار کر چلے گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنے حالات کو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر قیاس مت کرو ایک تو اس وجہ سے کہ جو کیفیت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر طاری ہوئی وہ غلبہ حال کی کیفیت تھی، وہ قابل تقلید کیفیت نہیں تھی اور غلبہ حال کا مطلب یہ ہے کہ کسی وقت طبیعت پر کسی بات کا اتنا غلبہ ہوجاتا ہے کہ آدمی اس حالت میں معذور ہوجاتا ہے معذور ہونے کی وجہ سے اس کے حالات دوسروں کے لیے قابل تقلید نہیں رہتے۔ اس لیے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ حالات ہمارے اور آپ کے لیے قابل تقلید نہیں۔ ورنہ دماغ میں یہ بات جم جائے گی کہ تکیہ بھی چھوڑو اور پیالہ بھی چھوڑ اور گھر بار بھی چھوڑو، بیوی بچے چھوڑو، اس لیے کہ خدا اس کے بغیر نہیں ملے گا۔ حالانکہ دین کا یہ تقاضا نہیں بلکہ یہ غلبہ حال کی کیفیت ہے جو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر طاری ہوئی۔

آمدنی کے مطابق کشادگی ہونی چاہیے

دوسرے یہ کہ ہر آدمی کی ضرورت اس کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں، لہٰذا کشادگی کا معیار بھی ہر انسان کا الگ ہے۔ اب جو شخص کم آمدنی والا ہے۔ اس کی کشادگی کا معیار اور ہے اور جو متوسط آمدنی والا ہے، اس کا معیار اور ہے اور جو زیادہ آمدنی والا ہے اس کی کشادگی کا معیار اور ہے اس لیے ہر شخص کی آمدنی کے معیار کے اعتبار سے کشادگی ہونی چاہیے یہ نہ ہو کہ شوہر بے چارے کی آمدنی تو کم ہے اور اِدھر بیوی صاحبہ نے دولتمند قسم کے لوگوں کے گھر میں جو چیزیں دیکھیں، ان کی نقل اُتارنے کی فکر لگ گئی اور شوہر سے اس کی

فرمائش ہونے لگی۔ اس قسم کی فرمائش کا تو کوئی جواز نہیں، لیکن شوہر کو چاہیے کہ اپنی آمدنی کو مدنظر رکھتے ہوئے کشادگی سے کام لے اور اپنی بیوی کے حق میں بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے۔

بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بنِ حَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ ﷺ: «أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»(۱)

حضرت معاویہ بن حیدۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگوں کی بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور یہ کہ چہرے پر نہ مارو اور بُرا بھلا مت کہو۔ (تقبیح کے معنی ہیں کوسنے دینا، بُرا بھلا کہنا) اور اس سے دل آزاری کی باتیں کرنا اور اس کو مت چھوڑ مگر گھر ہی میں۔

---

(۱) سنن ابی داود ۲/۲٤٤ (۲۱٤۲) ورياض الصالحين ص ۱۲۰ (۲۷۷) وقال حديث حسن رواه ابو داود۔

اس کا بستر چھوڑ دو

جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا کہ اگر تم عورت کے اندر کوئی بے حیائی کی بات دیکھو تو پہلے اس کو سمجھاؤ، اگر سمجھانے سے باز نہ آئے تو اس کا بستر چھوڑ دو اور الگ بستر پر سونا شروع کردو، اس حدیث میں بستر چھوڑنے کی تفصیل یہ بیان فرمادی کہ بستر چھوڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم گھر سے باہر چلے جاؤ۔ بلکہ گھر کے اندر ہی رہو۔ البتہ احتجاج کے طور پر، تادیبی طور پر اور ایک نفسیاتی مار کے طور پر کمرہ بدل دو، یا بستر بدل دو اور اس سے علیحدگی اختیار کرو۔

ایسی علیحدگی جائز نہیں

علماء نے اس حدیث کے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ ایسے موقع پر اگرچہ بستر تو الگ کردو، لیکن بالکلیہ بات چیت ختم نہ کرو اور ایسی علیحدگی نہ ہو کہ ایک دوسرے کو سلام بھی نہ کیا جائے اور سلام کا جواب بھی نہ دیا جائے اور کوئی ضروری بات کرنی ہو تو اس کا جواب بھی نہ دیا جائے۔ اس طرح کی علیحدگی جائز نہیں ہے۔

چار ماہ سے زیادہ سفر میں بیوی کی اجازت

اس حدیث کے تحت فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے یہاں تک لکھا ہے کہ مرد کے لیے چار مہینہ سے زیادہ گھر سے باہر رہنا بیوی کی اجازت اور اس کی خوش دلی کے بغیر جائز نہیں۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام قلم رو میں یہ حکم جاری فرمادیا کہ جو مجاہدین گھر سے باہر رہتے ہیں وہ چار ماہ سے زیادہ گھر سے باہر نہ

رہیں[1] اور اسی وجہ سے فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو چار ماہ سے کم کا سفر درپیش ہو تو اس کے لیے بیوی کی اجازت کی ضرورت نہیں لیکن اگر چار ماہ سے زیادہ کا سفر درپیش ہو تو اس کے لیے بیوی سے اجازت لینی ضروری ہے۔ چاہے وہ سفر کتنا ہی بابرکت کیوں نہ ہو، حتیٰ کہ اگر حج کا سفر ہو تو اس میں بھی اگر وہ چار ماہ کے اندر واپس آسکتا ہے تو پھر اجازت کی ضرورت نہیں، اگر نفلی طور پر وہاں زیادہ قیام کا ارادہ ہے تو پھر اجازت لینی ضروری ہے، یہی حکم تبلیغ، دعوت اور جہاد کے سفر کا ہے۔ لہٰذا جب ان مبارک سفروں میں بیوی کی اجازت ضروری ہے تو پھر جو لوگ ملازمت کے لیے پیسہ کمانے کے لیے لمبے سفر کرتے ہیں ان میں تو بطریق اولیٰ بیوی کی اجازت ضروری ہے، اگر بیوی کی اجازت کے بغیر جائیں گے تو یہ بیوی کی حق تلفی ہوگی اور شرعاً ناجائز ہوگا اور گناہ ہوگا۔

بہتر لوگ کون ہیں؟

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:
«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ»[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام مؤمنوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے جو اخلاق کے اعتبار سے ان میں سب سے اچھا ہو، جو شخص جتنا زیادہ خوش اخلاق

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۵۱/۷ (۱۲۵۹۳)۔

(۲) سنن الترمذی ۴۵۴/۲ (۱۱۶۲) وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔ ورياض الصالحين ص۲۱۵ (۶۲۸)۔

ہوگا وہ اتنا ہی کامل ایمان والا ہوگا۔ اس لیے کامل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ حسن اخلاق کا معاملہ کرے اور تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں اور اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہوں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے ہوں۔

آج کے دور میں ''خوش اخلاقی''

آج کل ہر چیز کے معنی بدل گئے ہر چیز کا مفہوم اُلٹ گیا ہمارے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے زمانے کے مقابلے میں اب اس دور میں ہر چیز اُلٹی ہوگئی، یہاں تک پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوتا تھا اور اب بلب کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ آج کل ہر چیز کی قدریں بدل گئیں، ہر چیز کا مفہوم اُلٹ گیا۔ حتیٰ کہ اخلاق کا مفہوم بھی بدل گیا آج صرف چند ظاہری حرکات کا نام اخلاق ہے، مثلاً مسکرا کر مل لیے اور ملاقات کے وقت رسمی الفاظ زبان سے ادا کردیے۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ ''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی'' یا ''آپ سے مل کر بڑا اچھا معلوم ہوا'' وغیرہ۔ اب زبان سے تو یہ الفاظ ادا کررہے ہیں، لیکن دل کے اندر عداوت اور حسد کی آگ سلگ رہی ہے، دل کے اندر نفرت کروٹیں لے رہی ہے بس آج اسی کا نام خوش اخلاقی ہے اور آج باقاعدہ یہ ایک فن بن گیا ہے کہ دوسروں کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے تاکہ دوسرے لوگ ہمارے گرویدہ ہوجائیں اور باقاعدہ اس پر کتابیں لکھی جارہی ہیں کہ دوسرے کو گرویدہ بنانے کے لیے اور دوسرے کو متاثر کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کیے جائیں؟ لہٰذا سارا زور اس پر صرف ہورہا ہے کہ دوسرا گرویدہ ہوجائے دوسرا ہم سے متاثر ہوجائے اور ہم کو اچھا سمجھنے لگے۔ آج اسی کا نام ''اخلاق'' رکھا جاتا ہے۔

خوب سمجھ لیجیے! اس کا اس اخلاق سے کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں۔ یہ اخلاق نہیں، بلکہ ریاکاری اور دکھاوا ہے اور یہ نمائش ہے اور یہ دوسرے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے اور اپنے گرد اِکٹھا کرنے کا بہانہ ہے، یہ حبِ جاہ ہے، یہ حبِ شہرت ہے، جو بذاتِ خود بیماری اور بداخلاقی ہیں، حسن اخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

''حسن اخلاق'' دل کی کیفیت کا نام ہے

حقیقت میں اخلاق دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جس کا مظاہرہ اعضاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دل میں ساری مخلوق خدا کی خیرخواہی ہو اور ان سے محبت ہو خواہ وہ دشمن اور کافر ہی کیوں نہ ہو اور یہ سوچ کر یہ میرے مالک کی مخلوق ہے لہٰذا مجھے اس سے محبت رکھنی چاہیے، اس کے ساتھ مجھے اچھا سلوک کرنا چاہیے، اولاً دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس جذبے کے ماتحت اعمال صادر ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ خیرخواہی کرتا ہے اب اس جذبہ کے بعد چہرے پر جو مسکراہٹ اور تبسم آتا ہے وہ بناوٹی نہیں ہوتا اور وہ دوسروں کو اپنا گرویدہ کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی دلی خواہش اور دلی جذبے کا ایک لازمی اور منطقی تقاضا ہوتا ہے۔ لہٰذا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اخلاق میں اور آج کے اخلاق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اخلاق پیدا کرنے کا طریقہ

اور ان اخلاق کو حاصل کرنے کے لیے محض کتاب پڑھ لینا کافی نہیں ہے نہ محض وعظ سن لینا کافی ہوتا ہے۔ اس کے لیے کسی مربی اور کسی مصلح کی صحبت

میں رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تصوف اور پیری مریدی کا جو سلسلہ بزرگوں سے چلا آرہا ہے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوں اور بُرے اخلاق دور ہوں۔ بہرحال! ایمان میں کامل ترین افراد وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں جن کے دل میں صحیح داعیے پیدا ہوتے ہیں اور ان صحیح داعیوں کا اظہار ان کے اعمال و افعال سے ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان کاملین میں داخل فرمادیں۔ آمین۔

اللہ کی بندیوں کو نہ مارو

وَعَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللّٰهِ"(۱)

حضرت ایاس بن عبداللہ بن ابی ذباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو مارو نہیں۔

یعنی عورتوں کو مارنا اچھی بات نہیں ہے۔ مت مارا کرو اور جب حضورِ اقدس سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا کہ یہ کام مت کرو تو جس شخص نے براہِ راست حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن لیا اس کے لیے وہ کام حرامِ قطعی ہوگیا۔ اب اس کے لیے کسی بھی حالت میں مارنا جائز نہیں۔

---

(۱) سنن ابی داود ۲/۲۴ (۲۱۴۶) وسنن ابن ماجہ ۳/۴۰۱ (۱۹۸۵)۔ وریاض الصالحین ص ۱۲۱ (۲۷۹) وقال رواہ ابوداود باسناد صحیح۔

حدیث ظنی یا قطعی

یہ بات سمجھ لیجیے کہ ایک تو وہ حدیث ہے جو ہم اور آپ کتاب میں پڑھتے ہیں۔ یا سنتے ہیں، اور جو لمبی سند کے ساتھ ہم تک پہنچتی ہے۔ حدثنا فلان قال حدثنا فلان قال حدثنا فلان۔ ایسی حدیث ظنی کہلاتی ہے۔ اس لیے کہ ظنی طریقوں سے ہم تک پہنچتی ہے لہٰذا اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اگر عمل نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو بات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سن لی وہ حدیث ظنی نہیں بلکہ قطعی ہے، لہٰذا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے گا تو صرف گناہگار نہیں ہوگا بلکہ کافر ہوجائے گا۔ اس لیے کہ اس نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا انکار کردیا۔ لہٰذا فوراً کافر ہوگیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی اس لائق تھے

کبھی کبھی ہمارے دلوں میں یہ احمقانہ خیال آتا ہے کہ کاش! ہم بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے اور اس زمانے کی برکات حاصل کرتے۔ ارے یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور وہی اپنی حکمت سے فیصلہ فرماتے ہیں اور اپنی حکمت سے ہمیں اس دور میں پیدا فرمایا۔ اگر ہم اس دور میں پیدا ہوجاتے تو خدا جانے کس اسفل السافلین میں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ بچائے آمین۔ اس لیے کہ وہاں ایمان کا معاملہ اتنا نازک تھا کہ ذرا سی دیر میں انسان اِدھر سے اُدھر ہوجاتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس جانثاری کا معاملہ فرمایا، وہ انہی کا ظرف تھا اور اسی کے نتیجے میں وہ اس درجے تک پہنچے، اگر

ہم جیسا آرام پسند اور عافیت پسند آدمی اس دور میں ہوتا تو خدا جانے کیا حشر بنتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس انجام سے بچایا اور ایسے دور میں پیدا فرمایا جس میں ہمارے لیے بہت سی آسانیاں ہیں۔ آج ایک حدیث کے بارے میں ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ظنی ہے اور ظنی ہونے کی وجہ سے اگر کوئی انکار کردے گا تو کافر نہ ہوگا۔ صرف گنہگار ہی ہوگا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی حکم سننے کے بعد انکار کردے کہ میں نہیں کرتا فوراً کافر ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔

یہ عورتیں شیر ہوگئی ہیں

لہٰذا جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ عورتوں کو نہ مارو تو اب مارنے کا سلسلہ بالکل بند ہوگیا۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ایسے نہیں تھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے بارے میں ممانعت سنیں اور پھر بھی وہ کام جاری رکھیں۔ جب مارنے کا سلسلہ بالکل بند ہوگیا تو کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ

ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلٰی أَزْوَاجِهِنَّ

یارسول اللہ! یہ عورتیں تو اب شیر ہوگئیں

اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے کی ممانعت کردی۔ جس کے بعد اب کوئی شخص اپنی بیوی کو نہیں مارتا، بلکہ مار کے قریب جانے سے بھی ڈرتا ہے اور اس نہ مارنے کے نتیجے میں عورتیں شیر ہوگئی ہیں اور شوہروں کی حق تلفیاں کرنے

لگی ہیں اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے لگی ہیں۔ اب آپ فرمائیں کہ ان حالات میں ہم کیا کریں؟

فَرَخَّصَ فِي ضَرْبِهِنَّ

چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ اگر عورتیں شوہروں کی حق تلفی کریں اور مارنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو تمہیں مارنے کی بھی اجازت ہے۔ اب اس اجازت دینے کے نتیجے میں یہ ہوا کہ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سی خواتین آنی شروع ہوگئیں اور آکر عرض کرتیں کہ یارسول اللہ! آپ نے شوہروں کو مارنے کی اجازت دے دی۔ جس سے لوگوں نے غلط فائدہ اُٹھایا اور ہمیں اس طرح مارا۔

یہ اچھے لوگ نہیں ہے

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَقَدْ أَطَافَ بِآلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أُولَئِكَ بِخِيَارِكُمْ»

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام لے کر فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں بہت سی خواتین چکر لگاتی ہیں اور وہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی ہیں کہ وہ شوہر ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کو بُری طرح مارتے ہیں، لہٰذا خوب اچھی طرح سن لو کہ جو لوگ یہ مار پیٹ کر رہے ہیں وہ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں اور اچھے مؤمن اور مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ مار پیٹ کرے۔

اس سارے مجموعے سے آنحضرت ﷺ نے یہ بات واضح فرمادی کہ اگرچہ ناگزیر حالت میں، جب کوئی اور چارہ نہ رہے اس وقت شریعت کی طرف سے ایسی مار کی اجازت ہے جس سے نشان نہ پڑے اور بہت زیادہ تکلیف نہ ہو(۱)، لیکن اس کے باوجود محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کی اصل خواہش یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت پر کبھی ہاتھ نہ اُٹھائے۔ چنانچہ حضرات اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ساری عمر کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اُٹھایا لہٰذا سنت کا تقاضا بھی یہی ہے(۲)۔

دنیا کی بہترین چیز ''نیک عورت''

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ»(۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ دنیا ساری کی ساری لطف اندوزی کی چیز ہے''، یعنی ایسی چیز ہے جس سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ نفع اُٹھاتا ہے اور لطف

---

(۱) كما رواه مسلم ۸۸٦/۲ (۱۲۱۸) ضمن حديث طويل.

(۲) وفي سنن اسحاق بن راهويه ٤٣٤/۲ (۱۰۰۱) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا سُئِلَتْ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا خَلَا فِي بَيْتِهِ، فَقَالَتْ: كَانَ أَلْيَنَ النَّاسِ، وَأَكْرَمَ النَّاسِ، كَانَ رَجُلًا مِنْ رِجَالِكُمْ، إِلَّا أَنَّهُ كَانَ ضَحَّاكًا بَسَّامًا. و ۱۰۰۸/۳ (۱۷۵۰)۔ ومداراة الناس لابن ابی الدنيا ص ۱۲۱ (۱۵۲)، وقال العزيزی فی ''السراج المنير'' ٦١/٤ قال الشيخ حديث حسن لغيره.

(۳) صحيح مسلم ۱۰۹۰/۲ (۱٤٦۷)۔

اُٹھاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا انسان کے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

هُوَالَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا(۱)

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے اور تمہارے نفع کے لیے اور تمہارے لطف اُٹھانے کے لیے اور تمہاری ضرورت پوری کرنے کے لیے پیدا کیا اور دنیا کی بہترین متاع جس سے انسان نفع اُٹھائے وہ نیک اور صالح عورت ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ: النِّسَاءُ، وَالطِّيبُ، وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ"(۲)

مجھے تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں بہت زیادہ محبوب ہیں۔ کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ "تمہاری دنیا" میں سے، یہ اس لیے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری جگہ پر ارشاد فرما چکے تھے کہ

"مَا لِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا"(۳)

میرا دنیا سے کیا تعلق! میں تو ایک ایسے سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے میں ذرا سی دیر کے لیے ٹھہرتا ہے

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۹)۔
(۲) سنن النسائی ۶۱/۷ (۳۹۳۹-۳۹۴۰) ومسند احمد ۳۰۵/۱۹ (۱۲۲۹۳-۱۲۲۹۴) وقال المناوی فی "التیسیر" ۴۹۳/۱ واسنادہ جید۔
(۳) سنن الترمذی ۱۸۶/۴ (۲۳۷۷) وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

اور پھر چلا جاتا ہے اور اس درخت کو چھوڑ دیتا ہے۔

اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری دنیا میں تین چیزیں مجھے بہت زیادہ محبوب اور پسند ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ ایک عورت، دوسری خوشبو اور تیسری چیز نماز، فرمایا نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور بعض روایات میں آتا ہے آپ ﷺ کو ٹھنڈا پانی پسند تھا(۱)۔ اس لیے دنیا کی ساری نعمتوں میں سے یہ تین چیزیں اوّل درجے کی نعمتیں ہیں۔

ٹھنڈا پانی عظیم نعمت ہے

چنانچہ احادیثِ شریفہ میں کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ساری زندگی میں کبھی کسی خاص کھانے کا اہتمام فرمایا ہو نہ کبھی یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کسی کھانے کی فرمائش کی ہو کہ فلاں کھانا پکالو، بلکہ جو کچھ آپ ﷺ کے سامنے آیا، آپ ﷺ نے تناول فرمالیا(۲)، لیکن ٹھنڈے پانی کا اتنا اہتمام تھا کہ پینے کے لیے ٹھنڈا پانی آپ کے لیے بئر غرس سے لایا جاتا تھا(۳)۔ جو مسجد نبوی سے تقریباً دو یا ڈھائی میل دور تھا۔ اس لیے کہ اس کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا تھا اور اس لیے آپ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ انتقال کے بعد مجھے اسی کنویں کے پانی سے غسل دیا جائے(۴)۔

---

(۱) مسند احمد ۲۳۳/۵ (۳۱۲۹) والمستدرک للحاکم ۱۵۳/٤ (۷۲۰۰) وصححه واقر الذهبی فی التلخیص۔

(۲) صحیح البخاری ۱۹۰/٤ (۳۵۶۳)۔

(۳) الطبقات الکبری لابن سعد ۴۳۳/۱-۴۳۴ طبع مکتبة الخانجی۔

(۴) سنن ابن ماجه ۲۸/۳ (۱۴۶۸) والحدیث ذکره الحافظ العراقی فی "طرح التثریب" ۱۹۲/۸ وعزاه إلی ابن ماجه فی سننه باسناد جید

ٹھنڈا پانی پیا کرو

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک حکمت بیان فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میاں اشرف علی! جب کبھی پانی پیو تو خوب ٹھنڈا پیو، تا کہ رگ رگ سے شکر نکلے، اس لیے کہ جب ٹھنڈا پانی پیے گا تو رگ رگ سیراب ہوگی، تو پھر رگ رگ سے ''الحمدللہ'' نکلے گا اور بے ساختہ رگ رگ سے شکر ادا ہوگا۔

بُری عورت سے پناہ مانگو

بہرحال! تین پسندیدہ چیزوں میں سے ایک نیک عورت ہے اس لیے کہ اگر عورت نیک نہ ہو تو اس سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوْجٍ تُشَيِّبُنِيْ قَبْلَ الْمَشِيْبِ،
وَمِنْ وَلَدٍ يَكُوْنُ عَلَيَّ رَبًّا (۱)

''اے اللہ! میں اس عورت سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کردے اور اس اولاد سے پناہ مانگتا ہوں جو میری مالک بن جائیں یعنی نافرمان ہوجائیں اور بات نہ مانیں۔'' (اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین)

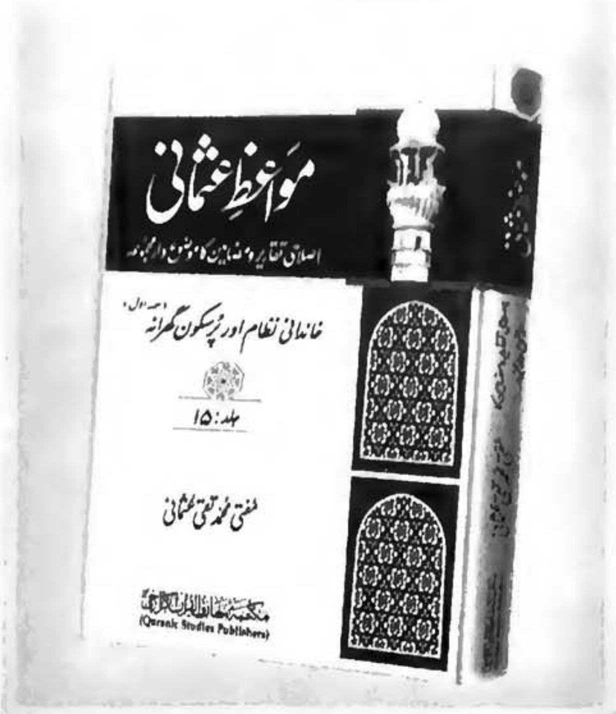
(۱) ماخوذ از کتاب الدعاء للطبرانی ۱۴۲۵/۳ (۱۳۳۹) من حدیث ابی ہریرة رضی اللہ عنہ (طبع دار الشائر الاسلامیہ) والفردوس للدیلمی ۴۶۲/۱ (۱۸۸۰) من حدیث علی بن ابی طالب (طبع دار الکتب العلمیہ)۔ والحدیث ذکرہ الالبانی فی ''الصحیحۃ'' ۳۱۳۷/۷ وقال ھذا إسناد جید. طبع مکتبة المعارف. الریاض.

اس لیے جب اپنے لیے یا اپنی اولاد کے لیے تلاش کرو تو ایسی عورت تلاش کرو جس میں دین ہو، صلاح ہو، نیکی ہو، اگر خدا نہ کرے، نیکی نہیں ہے تو وہ پھر عذاب بننے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کو صالح بیوی کی نعمت میسر آئی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی قدر کرے۔ اس کی ناقدری نہ کرے اور اس کی قدر یہی ہے کہ اس کے حقوق ادا کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان ارشادات پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مواعظِ عثمانی

اصلاحی تقاریر ومضامین کا
موضوع وار مجموعہ



شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جملہ مواعظ، خطبات اور تحریرات کا تخریج شدہ جامع اور مستند ترین موضوع وار مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شعب الایمان
- نشری تقریریں
- فرد کی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر وفکر
- the Islamic Months

اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شامل شدہ، اور بعض صوتی صورتوں میں محفوظ شدہ حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات وخطبات کو شامل کیا گیا ہے، جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عام پڑھے لکھے حضرات بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مواعظ عثمانی جلد-15
010329

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)